تنظیم اسلامی کا ترجمان

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

24

www.tanzeem.org

6 تا 12 ذوالحجہ 1441ھ/ 28 جولائی تا 3 اگست 2020ء

فلسفۂ قربانی

آنحضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ’’یارسول اللہ! ان قربانیوں کی نوعیت کیا ہے؟‘‘ تو جواباً آپ ؐ نے ارشاد فرمایا: ’’یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنّت ہے!‘‘ — گویا بھیڑوں، بکریوں، گایوں اور اونٹوں کی قربانی اصلاً علامت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اطاعت وفرماں برداری اور تسلیم وانقیاد اور اس پر مداومت اور استقامت کی اس روح کے لیے جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری شخصیت میں رچی بسی ہوئی تھی اور ان کی پوری زندگی میں جاری وساری رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں متنبہ فرمادیا گیا تھا کہ: ’’اللہ تک نہیں پہنچتا ان قربانیوں کا گوشت یا خون، ہاں اس تک رسائی ہے تمہارے تقویٰ کی۔‘‘

یہ دوسری بات ہے کہ جس طرح ہم نے دین کے دوسرے تمام حقائق کو محض رسموں میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ اسی طرح قربانی کی روح بھی آج نام نہاد مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کے عمل ہی سے نہیں وہم وخیال سے بھی غائب ہو چکی ہے۔ اور اب اس کی حیثیت بعض کے نزدیک محض ایک رسم کی ہے اور اکثر کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ایک قومی تہوار کی۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہر سال بیس لاکھ سے بھی زائد کلمہ گو حج کرتے ہیں اور بلا مبالغہ کروڑوں کی تعداد میں جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے، لیکن وہ روحِ تقویٰ کہیں نظر نہیں آتا جس کی رسائی اللہ تک ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے — وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج — یہ سب باقی ہیں تُو باقی نہیں ہے!

کاش کہ ہم جرأت کے ساتھ موجودہ صورتحال کا صحیح تجزیہ کر سکیں اور اصل روحِ قربانی کو اپنی شخصیتوں میں جذب کرنے پر کمر ہمت کس لیں، اور عید قربان پر جب اللہ کے لیے ایک بکرا یا دنبہ ذبح کریں تو ساتھ ہی عزمِ مصمم کر لیں کہ اپنا تن، من، دھن اس کی رضا پر قربان کر دیں گے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اس شمارے میں

مہنگائی!

اسلامی معاشرت کے رہنما اصول (2)

عیدالاضحیٰ کا اصل پیغام

میرے قافلے میں لٹا دے اسے

اسلامی انقلاب کی ضرورت اور......

دنیا فانی اور آخرت باقی

الھدیٰ (897)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

انسان آخرت کے حساب سے غافل ہے

سُورۃُ المُؤمِنون — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — آیات: 61 ، 62

اُولٰٓئِکَ یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ وَ ہُمۡ لَہَا سٰبِقُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَ لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا وَ لَدَیۡنَا کِتٰبٌ یَّنۡطِقُ بِالۡحَقِّ وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۶۲﴾

آیت ۶۱: ﴿اُولٰٓئِکَ یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ وَ ہُمۡ لَہَا سٰبِقُوۡنَ ﴿۶۱﴾﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں کوشاں ہیں اور ان کے لیے سبقت کرنے والے ہیں۔“

زندگی میں ان کی بھاگ دوڑ نیکیوں اور بھلائیوں کے لیے ہوتی ہے اور اس میدان میں وہ ہمیشہ دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

آیت ۶۲: ﴿وَ لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا﴾ ”اور ہم نہیں ذمہ دار ٹھہرائیں گے کسی جان کو مگر اُس کی استطاعت کے مطابق“

﴿وَ لَدَیۡنَا کِتٰبٌ یَّنۡطِقُ بِالۡحَقِّ وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۶۲﴾﴾ ”اور ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے‘ لہٰذا ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

اس سے مراد ہر شخص کا اعمال نامہ اور اس کی زندگی بھر کے اعمال و افعال کی جزئیات و تفصیلات پر مشتمل ریکارڈ ہے۔ اس اعمال نامے کے مطابق انسان کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک عمل کا اس کی استطاعت اور صلاحیتوں کے مطابق جائزہ لے کر اس کے لیے جزا اور سزا کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ماحول اور صلاحیتوں کی عطا کلی طور پر اللہ کی دین ہے‘ اس میں انسان کے اپنے اختیار و انتخاب کا کچھ دخل نہیں۔ جینز اور ماحولیاتی عوامل وغیرہ مل کر انسان کا ”شاکلہ“ تشکیل دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا سپر کمپیوٹر ہر شخص کے اعمال کو اس کی شخصیت کے شاکلہ کے ساتھ منطبق کر کے بتائے گا کہ اس کے شاکلہ میں کس عمل کے لیے کتنی استطاعت اور گنجائش تھی اور اس نے کس حد تک اس کی کوشش کی۔ اس حساب کتاب (evaluation) کے بعد یہ کمپیوٹر نتائج کا اعلان کرے گا‘ جس کے لیے یہاں ”یَنۡطِقُ بِالۡحَقِّ“ کے الفاظ آئے ہیں۔ سورۃ الکہف میں اس کیفیت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے: ”اور رکھ دیا جائے گا اعمال نامہ‘ چنانچہ تم دیکھو گے مجرموں کو ڈرے ہوئے اس سے جو کچھ اس میں ہوگا‘ اور وہ کہیں گے: ہائے ہماری شامت! یہ کیسا اعمال نامہ ہے؟ اس نے تو نہ کسی چھوٹی چیز کو چھوڑا ہے اور نہ کسی بڑی کو‘ مگر اس کو محفوظ کر کے رکھا ہے‘ اور جو عمل بھی انہوں نے کیا ہوگا وہ اسے اپنے سامنے موجود پائیں گے‘ اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا۔“ (آیت:49)

فرمان نبویؐ

آپس میں سلام کو پھیلاؤ

عَنۡ اَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم : ((وَالَّذِیۡ نَفۡسِیۡ بِیَدِہٖ لَا تَدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤۡمِنُوۡا وَلَا تُؤۡمِنُوۡا حَتّٰی تَحَابُّوۡا أَلَا أَدُلُّکُمۡ عَلٰی أَمۡرٍ إِذَا أَنۡتُمۡ فَعَلۡتُمُوۡہُ تَحَابَبۡتُمۡ أَفۡشُوا السَّلَامَ بَیۡنَکُمۡ))

(جامع ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے‘ تم لوگ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مؤمن نہ ہو جاؤ اور اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تم آپس میں محبت کرنے لگو۔ وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ اور رواج دو۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

مہنگائی!

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ مہنگائی جتنی زیادہ اور جتنی تیزی سے تحریک انصاف کی حکومت کے دور میں ہوئی ہے ماضی میں کبھی پاکستان میں نہیں ہوئی۔ آج مہنگائی، بے روزگاری اور غربت یقیناً تاریخ کی بلند ترین سطح پر ہے۔ رہی سہی کسر کرونا وباء نے نکال دی۔ لاک ڈاؤن کی وجہ سے بہت سی فیکٹریاں بند ہوگئیں۔ معمولی سرمائے سے دیہاڑی کمانے والا اپنا سرمایہ کھا گیا جس سے بے روزگاری میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ پھر یہ کہ حکومت کی نااہلی اور بیوروکریسی سے کھچاؤ اور کرپشن نے عوامی مصائب میں اضافہ کر دیا ہے۔ ہر دوسرے دن ایک نیا بحران پیدا ہو جاتا ہے۔ چینی کی برآمد کی اجازت دینا بغیر یہ طے کیے کہ وہ ملکی ضرورت کے لیے پوری ہے یا نہیں، نے بہت سے سوالات کھڑے کر دیئے۔ ماضی میں گندم کا بحران کبھی فصل کے دو تین ماہ بعد پیدا نہیں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ چھوٹے شہروں سے یہ خبریں بھی آنی شروع ہوگئیں کہ آٹے کی دستیابی مشکل ہوگئی ہے۔ گندم کی درآمد کی خبر سے آٹے کی سپلائی تو بہتر ہوئی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان جیسا زرعی ملک جو اناج کا گھر ہے، جہاں اکثر وافر گندم استعمال نہ ہونے کی وجہ سے خراب ہو جاتی تھی، وہ ملک گندم درآمد کیوں کرے۔ یہ حکومت سے متعلق ہر ہر فرد کے لیے باعث شرم ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ 640 روپے میں دستیاب ہونے والا آٹے کا تھیلا 800 کا ہوگیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ عوام اور اپوزیشن تو حیران تھی ہی خود حکومت کے فوڈ سیکیورٹی کے وزیر فخر امام اسمبلی میں بیان دیتے ہیں کہ کئی لاکھ ٹن گندم غائب ہوگئی ہے۔ زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔

چینی کی برآمد اور اس پر سبسڈی دینے پر کمیشن بنایا گیا جس نے جن لوگوں پر الزام عائد کیا ان میں سے بہت سے حکومت میں موجود تھے۔ خاص طور پر وزیر اعظم عمران خان کے دست راست اور انتہائی قریبی ساتھی جہانگیر ترین بھی شامل تھے جو ملک سے باہر چلے گئے۔ یہ ایک اچھی مثال تھی کہ حکومت نے ایک ایسی رپورٹ پبلک کی جس میں حکومتی عہدیداروں کے نام بھی تھے۔ اگرچہ عدالت نے اس رپورٹ پر مزید کارروائی سے فی الحال روکا ہوا ہے۔ لیکن انصاف اور میرٹ کا چرچا کرنے والے عمران خان نے اپنے دوست کو ملک سے باہر جانے سے کیوں نہیں روکا؟ اور اگر عدالتی فیصلے کے بعد جہانگیر ترین ملزم سے مجرم بنتے ہیں تو یہ حکومت نہیں صرف عمران خان کی ذات پر سیاہ دھبہ ہوگا جس کو دھو ڈالنا انتہائی مشکل ہوگا۔

گزشتہ دو سال میں فارماسوٹیکل کمپنیوں نے ادویات کی قیمتیں دوگنا کر دی ہیں۔ یعنی اُن میں صد فی صد اضافہ ہوگیا اور شاید بعض ادویات میں اس سے بھی زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ حکومت نے اس

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیمِ اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
6 تا 12 ذوالحجہ 1441ھ جلد 29
28 جولائی تا 3 اگست 2020ء شمارہ 24
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فریداللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
"دارالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 35473375-79 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 15 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 600 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

حوالے سے ایک وفاقی وزیر عامر کیانی کو وزارت سے الگ بھی کیا ہے، لیکن عوام کا مسئلہ وہ وزیر نہیں تھا بلکہ ادویات کی قیمتیں تھیں جن میں اضافہ روکنے میں حکومت ناکام ہوگئی۔ پٹرول کا معاملہ عجیب تر ہوا ہے۔ پٹرول کی قیمتیں عالمی منڈی میں کم ہوئیں تو حکومت 113 روپے فی لیٹر سے 76 روپے فی لیٹر لے آئی جس کا عوام نے خیر مقدم کیا، لیکن پٹرول نایاب ہوگیا، پٹرول پمپس پر لمبی لمبی قطاریں دکھائی دینے لگیں۔ ظاہر ہے عوام کو دُہائی دینا ہی تھی۔ معلوم ہوگیا کہ پٹرول کمپنیاں سستے داموں پٹرول ریلیز کرنے کو تیار نہیں۔ پہلے حکومت نے تیل مافیا کو خوب سنائیں لیکن جلد ہی پٹرول 100 روپے فی لیٹر کر کے اسی مافیا کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ گویا عوام کو مافیا کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا اور یہ مافیا اس قدر منہ زور ہو چکے ہیں کہ نہ وہ کسی قانون کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ سرکاری پالیسیوں کو خاطر میں لاتے ہیں۔

چند دن قبل لاہور میں قائد اعظم بزنس پارک کا سنگ بنیاد رکھے جانے کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم عمران خان نے یہ شکوہ کیا کہ گزشتہ تین چار ماہ سے انہیں اندازہ ہوا ہے کہ ملک کا نظام ایسا بن چکا ہے کہ درست سمت میں کام کرنے اور اصلاح کرنے میں وہ زبردست رکاوٹ بن گیا ہے۔ محترم وزیر اعظم سوال یہ ہے کہ کیا آپ کو وزیر اعظم بننے سے پہلے اس نظام اور اس کی خرابیوں سے کوئی آگاہی نہیں تھی۔ آپ تو اپنی 22 سالہ سیاسی جدوجہد کا ذکر کرتے ہیں لیکن آپ اِس بنیادی خرابی کا علم نہیں رکھتے تھے۔ یہ درست کرنا اگر اتنا مشکل تھا تو آپ کو اقتدار قبول کرنے سے انکار کر دینا چاہیے تھا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ بزرگوں نے جو کہا ہے ''پہلے تولو پھر بولو'' اس پر عمل نہ کرنے پر وزیر اعظم کو خاصی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اُنھوں نے اپنی اتنی باتوں سے یوٹرن لیا ہے کہ اپوزیشن اُنھیں مسٹر یوٹرن کہنے لگی ہے، لیکن ہم یہاں اُس یوٹرن کی بات کریں گے جس کا تعلق مہنگائی سے ہے۔ آپ نے ایک اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے کہا تھا کہ آئی ایم ایف سے رابطہ کرنے سے مر جانا بہتر ہے، لیکن آپ نے بحیثیت سربراہ حکومت IMF سے بھیک مانگی۔ اور اُس اسد عمر سے وزارتِ خزانہ چھین لی جو IMF کی شرائط پر قرضہ لینے کو تیار نہیں تھا اور حفیظ شیخ کے حوالے کر دی جو IMF اور دوسرے عالمی مالیاتی اداروں کے لے پالک ہیں۔

انصاف کا تقاضا ہے کہ ہم قارئین کو بتلائیں کہ اس خوفناک مہنگائی میں گزشتہ حکومت اور موجودہ اپوزیشن کا بھی اہم رول ہے۔ اُن کی حد درجہ کرپشن نے بھی ملک کو دیوالیہ ہونے کے کنارے پہنچا دیا۔ یہ بے تحاشا کرپشن بھی مہنگائی کا باعث بنی ہوئی ہے، کیونکہ اُنھوں نے ریاستی اثاثہ جات گروی رکھ کر بھاری شرح سود پر قرضے لیے تھے۔ بہت بڑے بڑے منصوبے بنائے گئے جن میں میگا کرپشن ہوئی۔ ہم یہاں صرف ونڈ پاور پلانٹ کی کرپشن کا ذکر کریں گے کیونکہ بجلی کی مہنگائی نے ہی اصلاً ہر شے کو مہنگا کیا ہے۔ پاکستان کے ایک مشہور ٹیلی ویژن اینکر نے حال ہی میں یہ راز فاش کیا ہے اور اس دعویٰ اور چیلنج کے ساتھ کیا ہے کہ اگر اُن کا الزام غلط ہے تو اُنھیں عدالت میں لے جایا جائے۔ واللہ اعلم!

گزشتہ دور حکومت میں ونڈ پاور پلانٹ لگانے کا فیصلہ ہوا، 40 درخواستیں آئیں، 30 کی منظور ہوئیں۔ پلانٹ کی قیمت 13 کروڑ ڈالر طے کی گئی جو 50 میگا واٹ بجلی پیدا کرے گا اور 21 روپے فی یونٹ بجلی مہیا کرے گا۔ اس کی صلاحیت 30 فیصد بجلی پیدا کرنے کی ہوگی جبکہ بھارت میں یہی کمپنیاں کہیں کم قیمت پر بجلی مہیا کر رہی ہیں۔ پاکستان کی موجودہ حکومت نے اُن دس کمپنیوں سے جنھیں ٹھیکہ نہیں دیا گیا تھا اُن کے ساتھ ایسے ہی پلانٹ کا معاہدہ کیا ہے لیکن قیمت 6 کروڑ ڈالر ہے یہ 50 میگا واٹ کا ہی ہوگا۔ بجلی 6 روپے فی یونٹ مہیا کی جائے گی اس کی صلاحیت 37% بجلی پیدا کرنے کی ہوگی گویا آدھی سے کم قیمت پر لگے ہوئے پلانٹ سے سستی بجلی دستیاب ہوگی۔

ہم سمجھتے ہیں کہ گزشتہ حکمران جو اِس وقت اپوزیشن میں ہیں اور مہنگائی پر شدید تنقید کر رہے ہیں۔ اُنھیں فوری طور پر اس اینکر کے خلاف قانونی کارروائی کرنا چاہیے۔ وگرنہ اینکر کا دعویٰ درست سمجھا جائے گا۔ اینکر نے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ وہ کمپنیاں اپنی لوٹ مار کے خلاف کارروائی سے بچنے کے لیے موجودہ حکومت سے مذاکرات کر رہی ہیں اور پاکستان کے عوام کے زبردست نقصان کی کسی حد تک تلافی کرنے کو تیار ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مسئلہ عدالت میں جانا چاہیے تاکہ عوام کو معلوم ہو کہ اُنھیں کس خوفناک طریقے سے لوٹا جا رہا تھا اور ہے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہونا چاہیے۔

بہرحال ہم آخر میں پھر وہی بات کہیں گے کہ مہنگائی، کرپشن، بدامنی، ناانصافی، بے حیائی اِن سب مسائل کا ایک ہی حل ہے وہ یہ کہ اگر قرارداد مقاصد کو عملی جامہ پہنا دیا جائے اگر اِس اسلامی نظریاتی ملک کی سمت درست کر دی جائے گویا قرآن اور سنت کو نظام میں بالادستی حاصل ہو جائے تو ہماری دنیا بھی سنور جائے گی اور ہم آخرت میں بھی سرخرو ہوں گے۔ ان شاء اللہ!

اسلامی معاشرت کے راہنما اصول (2)

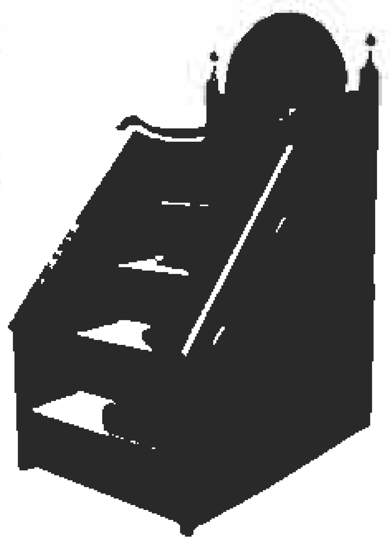

(قرآن وحدیث کی روشنی میں)

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں ناظم انجمن خدام القرآن محترم عارف رشید کے 17 جولائی 2018ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

خطبۂ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد!

حضرات! آپ کے علم میں ہے کہ سورۃ الحجرات ہمارے زیر مطالعہ ہے اور اس کی آٹھ آیات ہم مکمل کر چکے ہیں۔ جہاں کہیں بھی کسی طویل سورت کا بیان چل رہا ہو تو ضروری ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ پچھلی باتیں بھی ہم ذہن میں تازہ کرلیں تا کہ جو بھی گفتگو ہورہی ہے وہ پچھلی گفتگو کے ساتھ منسلک ہوجائے۔ اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت میں اسلامی ریاست میں قانون سازی کا اصول بیان کیا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد چار آیات میں نبی اکرم ﷺ کی عزت وتوقیر اور مسلمان کے دل میں آپ ﷺ کا جتنا ادب واحترام اور والہانہ جذبہ ہونا چاہیے اس کا بیان ہے۔ اگلی تین آیات میں اسلامی معاشرے کے راہنما اصول کے طور پر افواہوں کے سدباب کا بیان ہے۔ آج ہم ان شاء اللہ اگلی دو آیات کا مطالعہ کریں گے۔

﴿وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ﴾ ''اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔'' (الحجرات:9)

ہر معاشرے میں مختلف مزاج کے لوگ ہوتے ہیں۔ کسی میں جوش زیادہ ہے، غصہ زیادہ ہے، اس کے اوپر غضب کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر کسی فریق کی طرف سے دوسرے فریق پر ظلم ہو جائے یا زیادتی ہوجائے تو ہمارا دین ہمیں یہ حکم دے رہا ہے کہ ان دونوں فریقوں کے مابین صلح کروادی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کھڑے دیکھ رہے ہیں کہ ان کا آپس کا معاملہ ہے خود ہی سلجھائیں گے۔ بلکہ قرآن کا حکم ہے کہ اس نزع کو ختم کرنے کے لیے اجتماعیت کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے ورنہ معاشرے میں انتشار پیدا ہوگا۔ فرض کیجیے دو سگے بھائیوں کے درمیان کوئی اختلاف بڑھتا ہوا نزع کی صورت اختیار کرلیتا ہے اور ان کے درمیان قطع تعلق ہو جاتا ہے تو اس سے خاندان کا شیرازہ بکھر جائے گا جس سے مسلم ہیئت اجتماعیہ کا ہی نقصان ہوگا۔ لہٰذا صلح کے لیے بھی یہاں اجتماعی حکم دیا گیا کہ مسلمان مل کر ان دونوں کے درمیان صلح کرائیں۔ صلح کے بعد اگر کوئی فریق پھر زیادتی کرے تو اس کے لیے یہاں دوسرا حکم بھی آ گیا:

مرتب: ابوابراھیم

﴿فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ﴾ ''پھر اگر ان میں سے ایک فریق دوسرے پر زیادتی کر رہا ہو تو تم جنگ کرو اس کے ساتھ جو زیادتی کر رہا ہے'' (سورۃ الحجرات:9)

جو بھی فریق صلح کو توڑے تو اس کے خلاف مسلمان مل کر سخت اقدام کریں یہاں تک کہ وہ دوبارہ راہ راست پر آ جائے۔ یعنی صلح پر راضی ہوجائے۔ یہاں یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ سارا معاشرہ اُٹھ کر صلح توڑنے والے خلاف قتال شروع کردے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس پر مناسب سختی کی جائے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

﴿حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ﴾ ''یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف۔''

یہ صلح اللہ کا حکم ہے۔ مسلمان ہیئت اجتماعیہ نے جو فیصلہ کیا تھا اور صلح کرائی تھی وہ اللہ کے اسی حکم کے تحت تھی۔ لہٰذا جو بھی اس صلح کو توڑے گا تو اس پر اس حد تک سختی کی جائے گی یہاں تک کہ وہ اس صلح کے معاہدہ کے سامنے سرنڈر کردے اور عہد کرے کہ وہ اس معاہدہ کی پاسداری کرے گا۔ لیکن اگر پھر وہ فریق اس فیصلے سے منحرف ہو جائے تو اب اس کے خلاف قتال تک بھی ہوسکتا ہے۔

﴿فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَ اَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ﴿۹﴾﴾ ''پھر اگر گروہ لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان صلح کرادو عدل کے ساتھ اور دیکھو! انصاف کرنا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔''

یہ بہت اہم الفاظ ہیں جو واضح کرتے ہیں کہ ایک دفعہ صلح کرانے کے بعد اگر کوئی فریق منحرف ہوجائے تو اسے ہر صورت دوبارہ صلح پر آمادہ کیا جائے۔ یہ نہیں کہ ایک دفعہ صلح کرادی ہے تو بات ختم، اب جو جی چاہے کرو۔ نہیں بلکہ فیصلہ کرنے والوں کی بھی اور پورے اسلامی معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ باغی کو دوبارہ صلح کی طرف لایا جائے، چاہے اس کے لیے آخری حربہ یعنی قتال ہی کا راستہ کیوں نہ اپنانا پڑے۔ اس کے بعد جب وہ دوبارہ صلح کے لیے آمادہ ہوجائے تو اب حکم ہے کہ عدل کے ساتھ صلح کرادو۔ یعنی کسی فریق پر بھی ناحق ظلم نہ کرو۔ کیونکہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ باغی فریق کے خلاف اب سخت شرائط رکھی جائیں یا دوبارہ صلح کے معاہدے میں کوئی ایسی شق رکھی جائے جو اس فریق پر ظلم کے مترادف ہو۔ لہٰذا اسی

لیے یہاں خصوصی طور پر حکم ہوا کہ دوبارہ صلح کراتے وقت عدل کے تقاضوں کو مت بھولو۔ یہ توازن اور اعتدال سوائے اللہ کے کلام کے اور کہیں ممکن نہیں ہے اور اس کی نمایاں ترین مثال سورۃ التغابن کا ایک یہ مقام بھی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ ﴾ ''اے ایمان کے دعوے دارو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں۔''

یہ کس قدر سخت الفاظ ہیں حالانکہ بیویوں اور اولاد کی محبت تو اللہ ہی نے دل میں ڈالی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''مزین کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوباتِ دنیا کی محبت جیسے عورتیں اور بیٹے' اور جمع کیے ہوئے خزانے سونے کے اور چاندی کے' اور نشان زدہ گھوڑے' اور مال مویشی اور کھیتی۔'' (آل عمران:14)

یہ محبتیں اللہ نے ہی انسان کی فطرت میں رکھ دی ہیں۔ جیسے بیوی سے محبت، اولاد سے محبت، والدین سے محبت وغیرہ لیکن جب انسان کی اپنی فیملی وجود میں آجاتی ہے تو اس کی محبت اپنے اہل وعیال پر فوکس ہو جاتی ہے اور والدین عموماً نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ اس کی تلافی قرآن نے اس طرح کی۔ سورۃ لقمان میں فرمایا:

﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ﴾ ''کہ تم شکر کرو میرا اور اپنے والدین کا!'' (آیت:14)

سورۃ التغابن میں ایک مسلمان کے اہل وعیال کو اس کا دشمن اس لیے کہا گیا کہ ان کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو اپنے لیے جائز نہ کر لے، اپنی روزی میں حرام شامل نہ کر دے کیونکہ اولاد کی محبت انسان کو مجبور کرتی ہے کہ بچوں کے لیے بہتر سے بہتر تعلیم ہونی چاہیے، بیوی کے لیے بہتر سے بہتر طرز زندگی اور آسائشیں ہونی چاہئیں۔ بعض اوقات دوسروں کی طرز زندگی بھی متاثر کرتی ہے کہ فلاں نے اپنے بیوی بچوں کو اتنی آسائشیں اور سہولیات دے رکھی ہیں لہٰذا یہ محبت ناجائز دولت اور حرام کی کمائی کی طرف انسان کو متوجہ کر سکتی ہے جس کے نتیجے میں وہ اللہ کے حکم کو توڑنے کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بہت ہی بدقسمت ہے وہ شخص جو کسی دوسرے کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت تباہ کر رہا ہے۔ اسی لیے اہل وعیال کو انسان کا پوٹینشل دشمن کہا گیا۔ گویا یہ تمہارے مخفی دشمن ہیں۔ آگے فرمایا:

﴿فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ﴾ ''سو ان سے بچ کر رہو۔''

لیکن پھر آگے توازن بھی قائم کر دیا:

﴿ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭﴾ ''اور اگر تم معاف کر دیا کرو اور چشم پوشی سے کام لو اور بخش دیا کرو تو اللہ بہت بخشنے والا' نہایت مہربان ہے۔'' (التغابن)

یہ توازن سوائے اللہ کے کلام کے کہیں اور نہیں ہو سکتا۔ ایک طرف جگانے اور ہوشیار رہنے کے لیے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ تمہارے دشمن ہیں لیکن اسی آیت کے باقی حصے میں ایک توازن بھی قائم کر دیا۔ کہ اس دشمنی سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ تم واقعی ان کو اپنا دشمن سمجھنے لگو اور معلوم ہو کہ گھر میدان جنگ بنا ہوا ہے۔ بات بات پر روک ٹوک ہو رہی ہے اور اہل وعیال کا جینا حرام کر دیا ہے۔ غلطیوں سے پاک کوئی انسان بھی نہیں۔ ہر انسان سے غلطی ہو سکتی ہے۔ بیوی سے بھی ہو سکتی ہے، اولاد سے بھی ہو سکتی ہے۔ اب ضروری نہیں کہ ہر قدم پر انہیں سزا دی جائے بلکہ اسی آیت میں حکم ہے کہ: ﴿وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا﴾ یعنی ان سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو معاف کر دیا کرو۔ الرحیم، الرحمٰن تو اللہ کی شان ہے لیکن ہر انسان کے اندر بھی رحمت کا مادہ ہونا چاہیے۔ کسی دوسرے کو دکھ، تکلیف اور مصیبت میں دیکھ کر اس کا دل بھی تڑپ اٹھنا چاہیے۔ احادیث کی کتابوں میں درج ذیل الفاظ بھی موجود ہیں:

((تخلَّقوا بأخلاق الله))

''اللہ کے اخلاق (صفات) کو اپناؤ۔''

اللہ تعالیٰ کے اوصاف تو لامحدود ہیں، اس کی رحمت کا ہم تصور ہی نہیں کر سکتے۔'' آگے فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ⑩﴾ ''یقیناً تمام

پریس ریلیز 24 جولائی 2020ء

پنجاب اسمبلی کا تحفظِ بنیادِ اسلام بل 2020ء پاس کرنا قابلِ صد تحسین ہے

ایوب بیگ مرزا

پنجاب اسمبلی کا تحفظِ بنیادِ اسلام بل 2020ء پاس کرنا قابلِ صد تحسین ہے۔ یہ بات ترجمانِ تنظیم اسلامی ایوب بیگ مرزا نے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ اس کام کو بڑی تاخیر سے کیا گیا ہے بہرحال دیر آید درست آید۔ اِس قانون کے مطابق DGPR کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ مارکیٹ میں جہاں کہیں بھی خلافِ اسلام مواد، تدریسی کتب یا کسی بھی تحریری صورت میں موجود ہو اُسے ضبط کر کے فوجداری مقدمہ درج کیا جائے۔ یہ قانون سرکاری و نجی تعلیمی اداروں پر بھی لاگو ہوگا۔ علاوہ ازیں درآمد شدہ کتب کو بھی اِس قانون کے تحت چیک کیا جائے گا۔ اِس قانون کے تحت ختمِ نبوت اور اسلامی شعائر کا تحفظ کیا گیا ہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق اِس قانون پر عملدرآمد شروع ہو چکا ہے اور خلاف اسلام بہت سا مواد مارکیٹ سے ضبط کر لیا گیا ہے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ تحفظِ بنیادِ اسلام کے ساتھ ساتھ اب نفاذِ اسلام کی طرف بھی حکومت عملی پیش رفت کا مظاہرہ کرے۔

اُنھوں نے وفاقی وزیر برائے سائنس وٹیکنالوجی فواد چودھری کی ایک انٹرویو میں کہی ہوئی اِس بات کی شدید مذمت کی کہ علماء اِس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ سائنس وٹیکنالوجی کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ ایک مسلمان کا ایسی بات کہنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ بدقسمتی سے قرآنِ پاک کے سرسری مطالعہ سے بھی محروم رہا ہے۔ وگرنہ اُنھیں معلوم ہوتا کہ سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی سے کس طرح قرآن پاک کی حقانیت واضح ہوئی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ موصوف کو علم ہونا چاہیے کہ قرآن پاک دینی اور دنیوی علوم کا احاطہ کرتا ہے۔ بڑے بڑے غیر مسلم سائنس دانوں نے سائنس وٹیکنالوجی کے حوالے سے قرآن پاک کی آیات مبارکہ کو اپنی تحریر وتقریر میں بطور ریفرنس استعمال کیا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ فواد چودھری کی اِس گفتگو سے ہر اچھے مسلمان کا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت، تنظیم اسلامی)

اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔‘‘ (الحجرات:10)

اس کے لیے حضور ﷺ نے ایک بڑی خوبصورت مثال دی ہے کہ تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر جسم کے کسی ایک عضو میں کوئی تکلیف پیدا ہوجائے تو ایسا نہیں ہوتا کہ باقی پورا جسم بڑے آرام اور چین میں ہے اور صرف وہی عضو تکلیف محسوس کر رہا ہے۔ یہ کس قدر بلیغ مثال حضور ﷺ نے دی ہے۔ یہ دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ خواہ مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا رہنے والا ہو۔ اگر کہیں سگے بھائیوں کے درمیان دشمنی پیدا ہوجائے تو اندازہ لگایئے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غیظ وغضب کتنا بھڑکتا ہوگا۔ اس ضمن میں چند احادیث میں نے نوٹ کی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ’’ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کون سا اسلام بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو کھانا کھلائے اور ہر شخص کو سلام کرے خواہ اس کو تو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔‘‘

ہمارے ذہن میں یہی ہوگا کہ اس شخص کا اسلام بہتر ہے جو تہجد پڑھتا ہو اور ذکر اذکار وغیرہ کرتا ہو۔ لیکن یہاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہتر اسلام اس کا ہے جو غریب مسکین کو کھانا کھلائے اور ہر شخص کو سلام کرے چاہے اسے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ اب اس حدیث پر عمل کرنا کوئی آسان نہیں ہے۔ یہاں تو اگر ایک دوسرے کو خوب اچھی طرح جانتے بھی ہوں تو ایک دوسرے کو کترا کر جائیں گے لیکن سلام نہیں کریں گے لیکن اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ چاہے نہیں جانتے تو تب بھی سلام کرو۔ یہ اہتمام اس لیے ضروری ہے تاکہ تمہارے درمیان محبت مستحکم ہو، جب باہم محبت و یگانگت کی فضا پیدا ہوگی تو معاشرہ پُرامن ہو کر ترقی کرے گا۔ یہ مسلمان کے لیے اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ اس کی آخرت سنور جائے۔ کیونکہ اُخروی کامیابی کے لیے اللہ نے چند بنیادی شرائط رکھ دی ہیں۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے:

’’تم میں سے کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ ایمان نہ لائے۔‘‘

اُخروی کامیابی کے لیے یہ بنیادی شرط ہے مگر یہ شرط اس وقت تک پوری نہیں ہوسکتی جب تک کہ دوسرے مسلمان کے لیے دل میں محبت کے جذبات نہ ہوں:

’’اور اے مسلمانو! تم میں کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک باہم ایک دوسرے سے محبت نہ کرے۔‘‘

یہ محبت کیسے پیدا ہوگی؟ اس کی تعلیم بھی نبی اکرم ﷺ نے دے دی ہے:

’’کیا میں تمہاری راہنمائی کروں ایک ایسے عمل کی طرف کہ اگر تم اس پر عمل کرنے لگو گے تو باہمی محبت پیدا ہوجائے گی۔ اور وہ کیا ہے کہ: اپنے مابین سلام کو عام کرو۔‘‘

نبی اکرم ﷺ نے واضح فرما دیا کہ مسلمانوں میں آپس میں بھائی چارہ کیسے قائم ہوگا۔ اس کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرو۔ یہی چیز دلوں میں محبت پیدا کرے گی اور یہ محبت ایمان کی شرط کو پورا کرے گی اور وہ ایمان اُخروی کامیابی کے لیے لازمی شرط ہے۔ گویا سلام دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی کامیابی کا زینہ ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ انسان کی جھوٹی انا اس راستے میں آڑے آتی ہے۔ کسی کو سلام اس لیے نہیں کیا جاتا کہ وہ عمر میں چھوٹا ہے اور کوئی عمر میں بڑا بھی ہو لیکن مرتبے اور عہدے میں چھوٹا ہے تو تب بھی ہماری انا آڑے آتی ہے کہ میں کیوں سلام کروں؟ اب اگر انسان اس انا کو کچل دے، کوئی شخص دفتر میں داخل ہو رہا ہے تو وہاں کھڑے گارڈ کو سلام کرے، اندر کوئی قاصد اس کے لیے پانی لے کر آیا تو سلام میں پہل کرے۔ اگرچہ انا کو کچلنا ذرا مشکل کام ہے لیکن حضور ﷺ نے اس کی ترغیب وتشویق اس لیے دلائی کہ یہی عمل دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے ایک زینہ ہے۔ اس سے جہاں اسلامی معاشرت مستحکم ہوگی وہاں انفرادی حیثیت میں بھی مسلمان کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کی سنہری تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

وفاق المدارس سے الحاق شدہ

کُلّیۃ القرآن (قرآن کالج) لاہور

191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

’’تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو خود قرآن سیکھتے ہیں اور دوسروں کو قرآن سکھاتے ہیں۔‘‘ (حدیث نبوی ﷺ)

درس نظامی کے ساتھ ساتھ میٹرک (آرٹس، سائنس)۔ ایف اے۔ بی اے اور ایم اے کے خواہش مند طلبہ کے لیے

آن لائن داخلے شروع

- کرونا وائرس اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے لاہور تشریف لائے بغیر بذریعہ واٹس ایپ اپنے کوائف ارسال کریں۔ مطلوبہ قابلیت کا جائزہ لینے کے بعد داخلہ دینے یا نہ دینے کے بارے آپ کو اطلاع کردی جائے گی۔
- ریگولر کلاسز کے لیے حکومت پاکستان/وفاق المدارس کی ہدایات کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔
- کوائف ارسال کرنے کے لیے درج ذیل نمبروں پر رابطہ کریں۔

1۔ مولانا محمد فیاض 0322-4939102
2۔ شہریار 0301-4882395

خصوصیات

- دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم
- حفاظ، ذہین اور مستحق طلبہ کے لیے مراعات
- وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ/پنجاب یونیورسٹی کا نصاب
- نمایاں پوزیشن والے طلبہ کے لیے وظائف

المعلن: حافظ عاطف وحید، مہتمم — ریاض اسماعیل، پرنسپل

انجینئر مختار فاروقی
0301-6998587
Email:hikmatbaalgha@yahoo.com

12 پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق

اے مشرق کے لوگو! اب کیا کرنا چاہیے؟

32

رائے بے قوت ہمہ مکر و فسوں
قوتِ بے رائے جہل است و جنوں

ترجمہ: (کمزور انسان ہو یا قوم، اس کی صحیح رائے کی بھی قدر نہیں ہوتی) رائے قوت، استحکام اور غلبہ کے بغیر فکر وفسوں ہی رہتا ہے اور ایسی (اندھی) طاقت جس میں صحت فکر اور اصابت رائے نہ ہو جہالت ودیوانگی کا مجموعہ ہوتی ہے

تشریح: صالحیت اعمال سے انسان کی فکر اور قوتِ فکر کی نشو ونما ہوتی ہے اور اس سے انسان میں اصابت رائے پیدا ہوتی ہے مگر رائے کے صحیح ہونے سے یہ سمجھ لینا کہ چونکہ یہ رائے صحیح ہے لہٰذا لوگ اس کو فوراً قبول بھی کرلیں گے بہت بڑی غلطی ہے۔ صحیح رائے کے ساتھ قوتِ نافذہ نہ ہو تو ایسی رائے (صحیح ہونے کے باوجود) اپنی وقعت کھودیتی ہے۔ جیسے آج غریب اور ترقی پذیر ممالک کی رائے کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی۔ اس سے کہیں زیادہ خطرناک دوسری صورت حال ہے جو آج مغربی اقوام کی بالادستی کی وجہ سے انسانیت کے لیے عذاب سے کم نہیں اور دنیا ایک عالمی فلاحی ریاست کی بجائے اجتماعی عالمی جہنم زار بنتی جارہی ہے یا روئے زمین جنگلی درندوں کی آماجگاہ بن چکی ہے۔ گویا دنیا درندوں کی طرح بے لباس ہے اور درندوں کی طرح چیر پھاڑ کررہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوت ہو اور اصابت رائے نہ ہو، صحیح فکر کا فقدان ہو، ابلیسی سوچ کو لگام ڈالنے والی آسمانی ہدایت نہ ہو تو جہالت اور پاگل پن کا دور دورہ ہو جاتا ہے جیسے آج عالمی جامعات علوم کا گہوارہ ہونے کی بجائے عریانیت، بے حیائی، اخلاق سوزی اور حیوانیت کے فروغ کے ادارے دکھائی دے رہے اور بے شمار بیماریاں اور نشہ آور ادویات کا استعمال طلبہ وطالبات میں روز افزوں ہے۔ قوت ہو اور اصابت رائے نہ ہو تو یہی انسان فرعون، نمرود اور خدائی کے دعویدار بن کر سامنے آتے ہیں۔

33

سوز و ساز و درد و داغ از آسیا ست
ہم شراب و ہم ایاغ از آسیا ست

ترجمہ: (یہ حقیقت ہے کہ) سوز وساز اور انسانی ہمدردی اور کسی کے دکھ کا داغ (محسوس کرنا) یہ ایشیائی اقوام (مسلمانوں) سے ہے ایسی صحت فکر اور انسان دوست ذہن ایشیا ہی کا خاصہ ہے

تشریح: دنیا ایک کُرہ ہے اور فٹ بال کی طرح ہے اس میں مشرق ومغرب کی تقسیم، جس نے بھی کی، بہت عجیب ہے۔ تہران سے اوپر آذر بائیجان ہے، اس سے اوپر جارجیا ہے۔ جس سے اوپر سد ذوالقرنین ہے۔ اس سے اوپر (روس اور دوسری ریاستیں ہیں) یہ سارا علاقہ یورپ میں ہے اور یقیناً مغرب کہلاتا ہے۔ جبکہ ایران، افغانستان جنوبی ایشیا اور چین بھی ایشیا میں شامل ہے۔ مشرق وسطی سے مشرق کی طرف مشرقی ممالک اور برما سے مشرق کی طرف مشرق بعید (FAR EAST) ہے۔ مشرق وسطی اور جنوبی ایشیا یہ مذہب کی دنیا کا علاقہ اور پیغمبروں کی سرزمین ہے۔ لہٰذا یہ حقیقت ہے اور علامہ اقبال بھی اس شعر میں یہی کہہ رہے ہیں کہ انسانی محرومیوں، ناانصافیوں کو محسوس کرنا اور اس کے مداوا کا کوئی منصوبہ سوچنا یا فکر پروان چڑھانا، اس کے درد کا کرب محسوس کرنا اور اس سے غمگینی اور غمگساری کے حقیقی جذبات رکھنا یہ مذہب کی وجہ سے ہونے کے نتیجے میں یہ مشرق ہی کی شان ہے۔ یہ انداز فکر اور اس کے نتیجے میں ایک انقلاب اور خلافت راشدہ کے بعد چھ صدیاں اسلام کا غلبہ یہ زیادہ تر ایشیا ہی کے حصے میں آیا ہے لہٰذا اس کے اثرات اور اسلامی تعلیمات کی باقیات کی وجہ سے مسلمان اور اجتماعی ضمیر میں اسلام کی برکات اور آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی آرزو بھی اس علاقے (اور اس کے رہنے والوں) کا مقدر ہے اور اسلام کے اب عروج میں یہ سعادت جنوبی ایشیا کے مسلمانوں (بالخصوص برصغیر کی دوقومی نظریہ سے وجود میں آنے والے ملک پاکستان) کے حصے میں آئے گی۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍo

34

عشق را ما دلبری آموختیم
شیوۂ آدم گری آموختیم

ترجمہ: انسان دوستی اور فلاح کا تصور مشرقی اور ایشیائی اقوام کا خاصہ ہے (اور اس کی وجہ آسمانی ہدایت اور خداشناسی کا جذبہ ہے) دلبری (خدمت خلق) اسی وحدت الٰہ اور وحدتِ آدم کے جذبے نے دنیا کو سکھائی ہے اور انسانیت کو تعمیر سیرت وکردار اور شخصیت سازی کا احساس اسی خداشناسی کے جذبے کی بدولت ہے۔

تشریح: اللہ پر ایمان، قرآن، فرشتوں اور نبیوں پر ایمان کے جذبے (عشق) نے مجھے 'دلبری' سکھائی ہے دنیا میں کہیں بھی انسان دوستی اور فلاح انسانی کا جذبہ پایا جاتا ہے وہ ایمان اور عشق (گہرے یقین) کی وجہ سے ہے۔ یہ انسانی جذبہ ان علاقوں کا خاصہ ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کی سرزمین ہے مشرق اسلام، انسان دوستی اور فلاح انسانی کے جذبات کی سرزمین ہے۔ 'دلبری' انسانوں کے درمیان وحدتِ الٰہ اور وحدتِ آدم کی وجہ سے ہے اور یہ جذبہ دوسرے انسانوں سے ہمدردی سکھاتا ہے اور آخرت کا تصور عام کرنا سکھاتا ہے۔ اسی جذبے سے انسانی تربیت اور ذہن سازی کا احساس یا داعیہ جنم لیتا ہے۔ پھر انسان اپنی شخصیت پر بھی توجہ کرتا ہے اور دوسروں کی سیرت وکردار سازی کا کام بھی کرتا ہے۔

قُوّتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دھر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کردے

عیدالاضحیٰ کا اصل پیغام

حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

سورۃ الصّفّٰت کے تیسرے رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں کے حوالے سے بعض اہم مضامین بیان ہوئے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی امتحانات سے عبارت تھی تو غلط نہ ہوگا۔ ان امتحانات اور قربانیوں کا کلائمیکس وہ واقعہ ہے جب آپؑ نے اللہ کے حکم پر اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہم اسی سنت ابراہیمی علیہ السلام کی یاد میں عیدالاضحیٰ کے دن جانور قربان کرتے ہیں۔

اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں میں سے پہلی سب سے بڑی قربانی اور اس واقعہ کا تذکرہ ہے جسے آپؑ کی قربانیوں کا کلائمیکس کہہ سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ساٹھ سے زیادہ مرتبہ قرآن میں تذکرہ آیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیمؑ کی شان میں یہ آیت وارد ہوئی ہے۔

''اور ذرا یاد کرو جب ابراہیمؑ کو آزمایا تھا اس کے رب نے بڑی بڑی آزمائشوں سے' اور وہ (ان تمام امتحانات میں) پورے اترے۔''

یہ سرٹیفیکیٹ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندے ابراہیمؑ کے لیے ہے کہ ہم نے انہیں جن آزمائشوں میں مبتلا کیا وہ ان میں کامیاب رہے۔ اس کے بعد فرمایا:

''میں تمہیں بنانے والا ہوں پوری نوعِ انسانی کے لیے امام''۔

اس کامیابی کا صلہ ان کو یہ ملا کہ اللہ نے ''امامة الناس'' کا منصب عطا کیا جس کا ایک مظہر یہ ہے کہ آپؑ کے بعد نبوت ورسالت کو صرف آپؑ کی نسل میں مختص کر دیا گیا۔ چنانچہ آج جتنے بھی آسمانی مذاہب ہیں وہ خود کو آپؑ کی شخصیت سے منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان سب کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام معزز ومحترم شخصیت ہیں۔

اس تمہید کے بعد اب ہم سورۃ الصّفّٰت کے تیسرے رکوع کا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔ اس رکوع سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ تھا۔ چنانچہ اسی تسلسل میں فرمایا:

''اور انہی کے طریقے اور راستے پر ابراہیم علیہ السلام بھی تھے''۔ (آیت:83)

وہی دین توحید جو چلا آ رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی اسی توحید کی دعوت دیتے رہے' اسی توحید اور اللہ کی بندگی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کاربند تھے۔ آگے فرمایا:

''جب آئے وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم کے ساتھ۔'' (آیت:84)

یہ قلب سلیم یا نورِ فطرت اگرچہ ہر شخص کو عطا ہوتا ہے لیکن پھر وقت کے ساتھ ساتھ اور غلط ماحول اور غلط تربیت کے اثرات کے نتیجے میں اس قلب پر کچھ غبار آ جاتا ہے یعنی انسان کا یہ نورِ فطرت آلودہ ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض لوگوں کا یہ نورِ فطرت ماحول کے غلط اثرات کو بالکل قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ ہر دور میں بدترین حالات میں بھی انتہائی موحد لوگ موجود رہے ہیں۔ اس فطرت سلیمہ کی ایک نہایت درخشاں مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔ انہوں نے ایسے ماحول میں آنکھ کھولی کہ باپ بتوں کی پوجا ہی نہیں کرتا بلکہ اس مشرکانہ نظام کا رکھوالا بھی ہے۔ پوری قوم ستارہ پرستی' بت پرستی' سورج پرستی' چاند پرستی جیسی گمراہیوں میں مبتلا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قلب ماحول کے غلط اثرات سے بالکل محفوظ رہا اور ان کا نورِ فطرت اپنی صحت وسلامتی پر برقرار رہا۔ چنانچہ آگے بتایا گیا:

''جب کہا انہوں نے اپنے باپ اور قوم سے کہ تم کن (بے حقیقت) چیزوں کو پوجتے ہو۔ اور اللہ کے سوا کیوں ان جھوٹے معبودوں کے طالب ہو۔'' (آیات:85،86)

ذرا غور تو کرو کہ یہ بت تمہارے اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے ہیں۔ تم انہیں آخر کس طرح اپنا معبود سمجھتے ہو۔ یہ سب تمہارے من گھڑت تصورات ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

''آخر تمہارا رب العالمین کے بارے میں کیا گمان ہے۔'' (آیت:87)

اس ایک جملے میں کئی مفاہیم پوشیدہ ہیں۔ ایک تو تنبیہ ہے کہ کیا تمہیں اس رب العالمین کا خوف نہیں ہے کہ اس کا عذاب تمہیں اپنی گرفت میں لے سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہ تمہیں رب العالمین کی قدرت اور مشیت کا کوئی احساس نہیں ہے کہ تم نے ان لاچار ہستیوں کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ رکھا ہے۔ تم کیوں اس حقیقی رب سے غافل ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنی قوم سے اس مکالمے کی تفصیل سورۃ الشعراء میں زیادہ وضاحت سے آئی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے جھوٹے معبودوں کی حقیقت واضح کرنے کے لیے ایک ترکیب سوچی جس کی تفصیلی اگلی آیات میں بیان ہوئی ہے کہ

''تب انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر کی اور کہا کہ میں تو بیمار (ہوا چاہتا) ہوں تب وہ ان سے پیٹھ پھیر کر چلے گئے۔'' (آیت:88تا90)

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک حیلہ کا ذکر ہے۔ اس قوم کے لوگ چونکہ کواکب پرست تھے چنانچہ ہر معاملے میں ستاروں سے شگون لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز جب ان کی قوم ایک بڑے جشن کے لیے شہر سے باہر جانے والی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں پر ایک نظر ڈال کر کہا کہ میں تو بیمار ہوا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ انہیں اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو غلط بیانی یا جھوٹ قرار دینا درست نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اوّل تو یہ بات اصولی طور پر درست ہے کہ کسی بھی انسان پر کسی بھی وقت کوئی بیماری حملہ آور ہوسکتی ہے۔ ثانیاً یہ کہ ایک شخص اگر خود موحد ہو اور اس کے چہار طرف شرک کی غلاظت پھیلی ہوئی ہو تو فی الواقع وہاں اس کی ذہنی کیفیت بیماروں کی سی ہوگی۔ وہ ایک شدید کرب کی کیفیت سے دوچار رہے گا۔

بہرحال قوم کے جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اسکیم پر جس طرح عمل کیا اس کا ذکر اگلی آیات میں ہے:

''پھر حضرت ابراہیمؑ ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ تم کھاتے کیوں نہیں۔ تمہیں کیا ہوا ہے تم بولتے کیوں نہیں' پھر ان کو داہنے ہاتھ سے توڑنا شروع کیا۔ پھر وہ (قوم کے لوگ) ان کے پاس دوڑے ہوئے آئے۔ انہوں نے کہا کہ تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو۔ حالانکہ تم کو اور جن کی تم پوجا کرتے ہو اس کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔'' (آیات:91تا94)

جب قوم کے لوگ شہر سے باہر اپنی رسومات ادا کرنے کے لیے چلے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر کے بڑے بت کدے میں داخل ہوئے۔ وہاں بتوں کے سامنے طرح طرح کی مٹھائیاں اور چڑھاوے رکھے تھے۔ انہوں

نے بتوں سے کہا کہ تم ان چیزوں کو کھاتے کیوں نہیں؟ اور یہ کیا معاملہ ہے کہ تم بات تک نہیں کرتے۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو انہوں نے اپنے داہنے ہاتھ کی ضرب سے بتوں کو پاش پاش کرنا شروع کر دیا۔اس واقعے کی زیادہ تفصیل سورۂ انبیاء میں ہے کہ ایک بڑے بت کو انہوں نے سالم چھوڑ دیا اور تیشہ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ جب شہر کے لوگ واپس آئے اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کس نے کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ اس بڑے بت سے پوچھو جو خود بھی صحیح سالم ہے اور جس کے پاس ہتھیار بھی موجود ہے۔ کہیں اس نے ان بتوں کو نہ توڑا ہو!......اس پر انہیں فوری طور پر اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اپنے دل میں انہوں نے کہا کہ بات تو ابراہیم علیہ السلام کی سچی ہے ہمارے یہ معبود نہ تو اپنا دفاع کر سکتے ہیں اور نہ بول سکتے ہیں لیکن پھر جاہلانہ عصبیت ان کے قلب وذہن پر مسلط ہو گئی اور انہوں نے غضبناک ہو کر کہا' اے ابراہیم علیہ السلام تم خوب جانتے ہو کہ یہ بت بات نہیں کر سکتے۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تف ہے تم پر کہ ایسے لاچار اور بے بس بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ حالانکہ عبادت کا حقدار تو وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اس پر انہیں غصہ آیا اور وہ سمجھ گئے کہ یہ کام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک فیصلہ کیا۔

''وہ کہنے لگے کہ ایک عمارت بنائی جائے (اور اس میں خوب آگ دہکانے کے بعد) ابراہیم کو آگ کے ڈھیر میں ڈال دیا جائے۔انہوں نے اُن حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی۔اور ہم نے (اللہ نے) ان ہی کو (ناکام) زیر کر دیا''۔(آیات:97،98)

اس کی تفصیل سورۂ انبیاء میں ہے کہ جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو اللہ نے براہِ راست آگ کو حکم دیا کہ ''اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم علیہ السلام کے لیے سلامتی بن جا'' یہ آگ بھی تو اللہ کی مخلوق ہے۔اس میں جلانے کی تاثیر بھی اس نے رکھی ہے۔ وہ جب چاہے اس تاثیر کو سلب کر لے۔اسے اختیار ہے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی چال کو ناکام کر دیا اور وہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے راحت کا سامان ثابت ہوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ وہ پہلا بڑا امتحان تھا جس میں وہ سرخرو اور کامیاب ہوئے

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

یہ اللہ کی ذات پر وہ توکل اور بھروسا تھا کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ٹھٹکے اور اللہ کے بھروسے پر آگ میں کود گئے۔ جبکہ عقل انسان کو روکتی ہے اور ایسے موقع پر بے شمار تاویلات سجھاتی ہے کہ وقتی طور پر کلمۂ کفر کہہ کر بچ جاؤ تا کہ بعد میں تم دعوت وتبلیغ کا فریضہ بھرپور طور پر ادا کر سکو وغیرہ۔ لیکن یہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ۔ بلاشبہ یہ ایک بہت کٹھن امتحان تھا جس میں آپؑ پوری طرح کامیاب ہوئے اور بلاجھجک اپنی ذات کو اللہ کی خاطر قربان کرنے کی لیے آگ میں کود پڑے' لیکن اللہ نے آپؑ کو معجزانہ طور پر بچایا۔ آگے فرمایا:

''اور ابراہیمؑ بولے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہ مجھے رستہ دکھائے گا'' (آیت:99)

اس آیت میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ہجرت کا فیصلہ فرمایا' اور آپؑ عراق چھوڑ کر چل دیئے' اللہ نے آپ کی رہنمائی فرمائی اور شام میں لا کر فلسطین میں آباد فرمایا۔

آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے ایک اور باب کا تذکرہ آ رہا ہے۔ آپؑ بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو چکے تھے لیکن تا حال اولاد سے محروم تھے۔ آپؑ نے دعا کی:

''اے پروردگار مجھے سعادت مند اولاد عطا فرما''۔ (آیت:100)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی 87 برس عمر ہو چکی تھی' کوئی اولاد نہ تھی آپؑ کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام نے آپؑ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ اولاد نہ ہونے پر آپؑ نے اللہ سے یہ دعا کی جسے اللہ نے قبول فرمایا:

''پھر ہم نے اسے ایک (حلیم الطبع) بردبار لڑکے کی بشارت دی''۔(آیت:101)

یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے جن کی ولادت کی بشارت دی گئی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ اس بچے اور اس کی والدہ کو مکہ کی بے آباد وادی میں چھوڑ آؤ۔ اس واقعے کی تفصیلات قرآن حکیم کے دوسرے مقامات پر ملتی ہیں۔

بہرحال جب حضرت اسماعیل علیہ السلام 13 برس کے ہوئے تو اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ آزمائش کی جس کی یاد ہم عیدالاضحیٰ کے دن مناتے ہیں۔ اس واقعہ کا ذکر یہاں آیا ہے:

''جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ اب مجھے بتاؤ کہ تمہارا کیا خیال ہے انہوں نے کہا کہ ابا جو آپؑ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے۔ اللہ نے چاہا تو آپؑ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔''(آیت:102،103)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تین دن لگا تار یہ خواب آیا۔ انبیاء اور رسولوں کے خواب بھی اللہ کی طرف سے وحی کی ایک صورت ہوتے ہیں' گویا یہ آپؑ کو اللہ کا حکم تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اس خواب کا اپنے بیٹے سے ذکر کیا تو انہوں نے بھی اللہ کے حکم پر قربان ہونے میں کسی جھجک کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اور فوراً کہا کہ ابا جان آپؑ وہ کر گزریئے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے اور آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والا پائیں گے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں ذبح کرنے کے لیے ایک ویرانے میں لے گئے۔ آگے اس کی تفصیل ہے:

''جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے ان کو پکارا، اے ابراہیمؑ تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی اور ہم نے ان کو اس بڑی قربانی کا فدیہ دیا'' (آیات:103 تا 107)

روایات میں آتا ہے کہ پیشانی کے بل لٹانے کا مشورہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دیا تھا کہ چھری پھیرتے وقت شفقت پدری غالب نہ آ جائے اور وہ اللہ کے اس حکم کو پورا کرنے میں رکاوٹ بن جائے۔ بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری چلا دی لیکن چھری نے اللہ کے حکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن کو نہ کاٹا۔ پھر وہیں پر اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکارا کہ بے شک تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے کہ یقیناً یہ بہت بڑا امتحان تھا جس میں وہ پورے اترے اور پھر اللہ نے جنت سے دو مینڈھے عطا کئے جنہیں فدیے میں ذبح کیا گیا۔ آگے فرمایا:

''اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں ابراہیمؑ کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلا دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔'' (آیات:108 تا 111)

عیدالاضحیٰ کے دن قربانی کا سلسلہ اسی سنت ابراہیمی کی یاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کو آپؑ کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اسے قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا۔ اس پورے واقعے میں غور طلب بات یہ ہے کہ ہمارے لیے کیا سبق پوشیدہ ہے اور عیدالاضحیٰ کی قربانی کے حوالے سے ہمیں کیا چیز یاد کرانا پیش نظر ہے۔

مرے قافلے میں لٹا دے اسے

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

زندہ قومیں اپنی نسلوں کی فکری و روحانی پرورش و پرداخت بارے حساس ہوتی ہیں۔ اقدار و روایات کی منتقلی، ملّی شناخت کا تحفظ نظامِ تعلیم وتربیت کا لازمہ ہوتی ہیں۔ تاریخ، قوم کا حافظہ کہلاتی ہے۔ جس کی عدم موجودگی بارے ہی کہا: رفتہ رفتہ آدمیت کھو کے خر ہو جائے گا۔ پاکستان میں اس اہتمام کی صورت کیا ہے؟ ہمیں تو یہی پراسرار خبر دہلا رہی ہے کہ پاکستان میں سالانہ ایک لاکھ گدھوں (کی آبادی) کا اضافہ ہو رہا ہے۔

تفنن برطرف، خودشناسی پہلے بھی ہمارے ہاں قحط کا شکار رہی ہے۔ نصابِ تعلیم نوجوان نسل کی شخصیت سازی، کردار سازی میں بنیادی اہمیت کا حامل ہوا کرتا ہے۔ 2001ء میں نائن الیون کے ٹون ٹاورز کا ملبہ بہت کچھ پاکستان پر آن گرا۔ ملبے تلے دب کر مرنے والوں میں (حیا اور ایمان کے علاوہ) نصاب ہائے تعلیم بھی ہوئے۔ جو بچی کھچی کتابیں نکلیں وہ لولی لنگڑی تعلیم جیسے تیسے ہانپتی، کراہتی دینے کے لائق تھیں۔ 2006ء میں آغا خان ٹیکسٹ بک بورڈ (آغا خان ہسپتال والے) کے تحت مرہم پٹی کروانے پر بہت تنازع کھڑا ہوا۔ دل بہلاوے کو نظامِ تعلیم مخلوط بھی کیا گیا۔ اس میں راگ رنگ کا عنصر بہت بڑھا دیا گیا۔ اساتذہ (خصوصی نجی اداروں میں) پرانے، سنجیدہ، تجربہ کار، نظریاتی پختگی والے ہٹا کر چھیل چھبیلے (چھبیلیاں) بہ صد اہتمام بھرتی کیے گئے۔ ہم نصابی سرگرمیاں نصابوں پر سبقت لے گئیں۔ بے جہت نجی اداروں کی شاخیں (بیرونی، این جی اوز والی فنڈنگ سے) کھمبیوں کی طرح شہر، دیہات، قصبات ہر جگہ اُگ آئیں۔ غیر ملکی (گورے) مشیر ہائے تعلیم جابجا بھرتی ہوئے۔ پنجاب میں برطانوی مشیروں کا خوب چرچا رہا۔ آئے دن نصاب بدلنے کے سلسلے رہے۔ شناخت کیا بچتی۔ ژولیدہ فکری بونے کا ایک لامتناہی سلسلہ چل نکلا۔ پرنٹ الیکٹرانک میڈیا کے شانہ بشانہ نصاب ہائے تعلیم نے نژادِنو کو الجھا کر رکھ دیا۔ مطالعہ پاکستان ہی کو لے لیجیے۔ اساتذہ شکوہ کناں رہے کہ پچھلی کتب پھر کچھ غنیمت تھیں (اگرچہ کتاب میں رنگ تو استاد ہی کو بھرنا ہوتا ہے) اب نویں، دسویں کو جو دو الگ کتب دی گئی ہیں وہ اس درجہ بے روح، روکھی پھیکی ہیں کہ نظریاتی مملکت تو رہی ایک طرف، پاکستانیت تک ابھارنے سے قاصر ہیں۔ وہ خود اعتمادی، اپنی شناخت پر فخر، اس کے تحفظ کا جذبہ، ملک وملت کی برتری اور ترقی میں اپنا حصہ ڈالنے کا احساسِ ذمہ داری، کچھ بھی دینے سے قاصر ہے۔ بس کچھ معلومات، کچھ سن اور تاریخیں رٹ رٹا کر نمبروں کے حصول سے آگے کوئی مقصد نہیں۔

نصابوں میں اسلام کا گلا گھونٹنے کی ہر ممکن کوشش کے باوجود، کہیں نہ کہیں سے ڈوبتی امیدیں، روشنی کی کرن پا کر حوصلہ مند ہو جاتی ہیں۔ 2001ء کے بعد سنِ شعور کو پہنچنے والی نسل کی فکری تہی دامنی کے تمام تر مذکورہ اسباب کے باوجود، جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے! اسی نسل کے نمائندہ ایک نوجوان (ٹنڈو جام) سکول کے استاد، عمر حیات قائم خانی کی تالیف: قائداعظمؒ اور پاکستان کی نظریاتی اساس، نظر نواز ہوئی۔ سوکھے دھانوں پر پاکیزہ ٹھنڈی پھوار کا کام دے گئی۔ سبحان اللہ! اس کتاب کا محرک (مؤلف کے مطابق) وہ کالمز ہیں جو مسلسل پاکستان کی نظریاتی بنیادوں پر تیشہ چلانے کے مامورین نے لکھے۔ نوجوان نسل کو متذبذب و متزلزل کرنے، پاکستان کے مقصدِ وجود کے حوالے سے سیکولرازم کا زہر فکر و نظر میں بھرنے والے رینڈ کارپوریشن کا تفویض کردہ ایجنڈہ، پر نبھانے کو بہت سے لکھاری اور اینکر مامور ہے۔ عمر حیات نے اسلامی تشخص کی پرعزیمت داستان، انگریز کے غاصبانہ قبضے سے لے کر قیامِ پاکستان تک کی جاں گسل خونچکاں جدوجہد 245 صفحات میں نہایت مدلل و مؤثر پیرائے میں سمیٹ دی ہے۔ بانیانِ پاکستان، بالخصوص محمد علی جناح پر سیکولرازم کی تہمت کا (خود انہی کی زبانی تقاریر کے برمحل حوالہ جات سے) زبردست محاکمہ کیا ہے۔ مثلاً یہ حوالے: 'وہ کیا ہے جو مسلمانوں کو جسدِ واحد کی طرح متحد رکھتا ہے............ وہ اسلام ہے اور وہ عظیم کتاب قرآن ہے جو مسلمانوں کا آخری سہارا ہے'۔ نیز یہ کہ: 'یہ بات سوائے جہلاء کے ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کا عمومی ضابطہ ہے مذہبی، سماجی، شہری، تجارتی، فوجی، عدالتی اور فوجداری ضابطہ'............ (صفحہ 207، 208)

یہ نسل جو دو قومی نظریے کی گہرائی و گیرائی سے لاعلم ہے، مسلم قیادت کی جان توڑ جدوجہد جس کے ذریعے دو بدترین دشمنوں انگریز اور ہندو کے پنجۂ استبداد سے کیسے معجزاتی طور پر قیامِ پاکستان ممکن ہوا، سے یہ بے بہرہ رکھی گئی۔ جس نسل کے حصے سر پر شراب کی بوتل رکھ کر ناچنے والی پرویز مشرف جیسی قیادت آئی۔ جو قیامِ پاکستان کو صرف قومیت کے ہرے رنگ اور 14 اگست کے مخلوط نغموں میں گاتے بجاتے آزادی کے پھریرے لہرانے کی حد تک جانتی ہے، یہ کتاب عین اسی نسل کی اشد ترین ضرورت ہے۔ عمر حیات نے یہ کتاب لکھ کر (تن آسان) والدین اور دردمند اساتذہ پر بالخصوص اور نوجوان نسل پر بالعموم احسان کیا ہے! کتاب جس دلسوزی، دردمندی سے لکھی گئی اس میں سلاست، روانی، شگفتگی بایں ہمہ برقرار رہی ہے۔ جابجا خط کشیدہ حوالہ جات ورق گردانی کرتے کرتے ہی کتاب کا خلاصہ بیک نگاہ سامنے لے آتے ہیں۔ رنگ برنگے بے اصل، فریب کارانہ کالمز کے خلطِ مبحث کے غباروں سے ٹھوس دلائل کی سوئی چبھو چبھو کر ہوا نکال دی ہے۔ ابواب کے بیچ چوکھٹے لگا کر اشعار اور اہم نکات کا انداز بھی اچھوتا ہے۔ تحریکِ پاکستان کے ماحول کی منظر کشی آج کے نوجوان کو قد آور قیادتوں کے جھرمٹ میں لے جا کھڑا کرتی ہے۔ آج کے اخلاقی، مالی سکینڈلوں میں گھری (الا ماشاء اللہ) سیاسی قیادتوں کا تضاد کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

یہ کتاب بنیادی طور پر تین سوالوں کے واضح جوابات پر مبنی ہے۔ پاکستان کیسے بنا؟ کیوں بنا؟ قائداعظمؒ کیسا پاکستان چاہتے تھے۔ مختصر، جامع، مستند تاریخ نہایت عمدگی سے بیان کی گئی ہے۔ تجارت کی آڑ میں مکارانہ چالبازی سے انگریز نے برصغیر پر قبضے کی راہ

کیسے ہموار کی۔ موجودہ دور کے تناظر میں نہایت اہم ہے۔ غیر اقوام پر ملک کے کوچہ و بازار کے دروازے بے دھڑک کھول دینے کے نتائج اور منافقین کا کردار چشم کشا ہے۔ جنگ پلاسی کا میر جعفر آج ہمارے ہاں بھی جابجا اعلیٰ مناصب پر براجمان ہے۔ 1857ء جنگ آزادی کے ساتھ ہی مسلمانوں پر وحشیانہ قتل و غارت گری قیامت بن کر ٹوٹی، خواتین کی بے حرمتی، قرآن کی بے حرمتی، لامتنہا پھانسیاں (علماء بالخصوص)، بقول اسد اللہ خان غالب:

'یہاں میرے سامنے خون کا ایک وسیع سمندر ہے.........
سفید فام لوگوں، برطانویوں نے (شہر میں) داخل ہوتے ہی بے یار و مددگار اور معصوم لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا'۔

گورے کا یہی چہرہ آج دہشت گردی کے نام پر مسلم کشی کی اس بیس سالہ جنگ میں نیٹو امریکی فوجوں کے ہاں دیکھا جا سکتا ہے۔ اجڑا ہوا شام بھی اسی کی مثال ہے۔ 1857ء کے بعد انگریز نے ہندوؤں کو ترجیح دے کر مسلمانوں کو سیاسی، معاشی، تعلیمی پسماندگی دینے کا ہر حربہ آزمایا۔ اس فتنے سے جنگی، سیاسی، تعلیمی میدانوں میں نمٹا گیا۔ سراج الدولہ، ٹیپو سلطان، سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ مجاہدین، جہاد شاملی، گرفتاریاں، جلاوطنی (کالا پانی)، دیوبند، ندوۃ العلماء علی گڑھ کی تعلیمی تگ و دو۔ تحریکِ خلافت میں امت سے وابستگی کا ولولہ۔ تحریکِ پاکستان ایک زندہ قوم کی شاندار داستانِ حریت ہے جسے ہمارے نصابوں نے عملاً بلیک آؤٹ کر کے باصلاحیت نسلیں آکسفورڈ، کیمبرج کے نصابوں کے حوالے کر دی ہیں، ملالائیں تیار کرنے کو۔ کہاں گلی گلی للکارتے نعروں کی گونج: اٹھ محمود، بتوں کو توڑ، غیر اللہ کا نام مٹا، پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ.........

مشرف نے اس کا انتظام یہ کیا کہ اسلام آباد کی پہاڑی کی چوٹی پر بانیانِ پاکستان کو سنگی مجسموں میں گاڑ کر ولولہ انگیز تحریکِ پاکستان کو پتھرا دیا۔ اقبالؒ صرف قوالوں اور گانے والیوں کے سُروں میں رکھ دیا۔ قائد اعظمؒ کی سو تقاریر جو راسخ العقیدہ مسلمانوں کی (حیران کن) پکار للکار پر مبنی تھیں، دفن کر دیں۔ عمر حیات نے نگینوں کی طرح قائد اعظمؒ کی تقاریر اور علامہ اقبالؒ کا تصورِ پاکستان اس کتاب میں جڑ دیا ہے۔ ایک قرض تھا جو اس نوجوان نے اتارا ہے۔ مثلاً: 'مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے، وطن اور نسل نہیں'۔ (علی گڑھ طلبہ سے خطاب 1944ء)

'پاکستان کا قانون کیا ہوگا۔ یہ ایک بے معنی سوال ہے۔ مسلمان ایک خدا، ایک نبیؐ اور ایک کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے فقط یہی قانون ہے۔ اسلام ہی پاکستان کا بنیادی قانون ہوگا اور اسلام کے خلاف کوئی قانون پاکستان میں نافذ نہیں کیا جائے گا'۔ (پشاور۔ 1945ء) شریعت دشمن، مفاداتی، کفر کی آلہ کار حکومتوں اور ان کے نقارچیوں کا فریب اس کتاب نے کماحقہٗ چاک کر دیا ہے! شاباش عمر حیات!

(مصنف کی ای میل: humar4262@gmail.com)

☆☆☆

دعائے صحت کی اپیل

☆ حلقہ جنوبی پنجاب، ڈی جی خان کے نقیب علی عمران کی والدہ بیمار ہیں۔

برائے عیادت: 0346-4816413

اللہ تعالیٰ ان کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقاء واحباب سے بھی ان کے لیے دعائے صحت کی اپیل کی جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا

جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کے لیے دینی علوم کے حصول کا نادر موقع

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

جاری کردہ: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

رجوع الی القرآن کورس

(دورانیہ 9 ماہ)

عرصہ 38 سال سے باقاعدگی سے جاری تعلیمی سلسلہ

مضامینِ تدریس

پارٹ ۱ (سالِ اوّل) برائے مرد و خواتین

- تجوید و ناظرہ
- عربی گرامر (صرف ونحو)
- ترجمہ قرآن (مع تفسیری ولغوی توضیحات)
- دورہ ترجمہ قرآن
- قرآن حکیم کی فکری وعملی رہنمائی
- سیرت وشمائل النبی ﷺ
- مطالعہ حدیث و اصطلاحاتِ حدیث
- فکرِ اقبال
- فقہ العبادات
- معاشیاتِ اسلام
- اضافی محاضرات

پارٹ ۲ (سالِ دوم) برائے مرد حضرات

- عربی زبان وادب
- اصولِ تفسیر
- تفسیر القرآن
- اصولِ حدیث
- درسِ حدیث
- اصول الفقہ
- فقہ المعاملات
- عقیدہ (طحاویہ)
- اضافی محاضرات

آغاز 10 اگست 2020 (ان شاء اللہ)

ایامِ تدریس پیر تا جمعہ

نوٹ: بیرونِ لاہور رہائشی حضرات کے لیے ہاسٹل کی محدود سہولت موجود ہے۔ لہٰذا خواہشمند حضرات 8 اگست تک اپنی رجسٹریشن کروالیں۔

اوقاتِ تدریس: صبح 8 بجے تا 12:30

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی خدماتِ قرآنی کا مرکز —— قرآن اکیڈمی

36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
email:irts@tanzeem.org
www.tanzeem.org

زیرِ انتظام مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مزید تفصیلات کے لئے www.tanzeem.org
03161466611 - 04235869501-3

اسلامی انقلاب کی ضرورت اور اہمیت

ڈاکٹر اسرار احمد (بانی تنظیم اسلامی)

پاکستان میں اسلامی انقلاب کے ذکر سے پہلے چند تمہیدی باتوں کا جاننا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ کہ پاکستان کی بقا اور استحکام صرف اور صرف اسلام سے وابستہ ہے۔ ہمارے پاس اسلام کے سوا اس ملک کی بقا اور استحکام کے لیے کوئی اور بنیاد سرے سے موجود نہیں ہے۔ اب یہ بات خود ایک مستقل موضوع ہے کہ تحریک پاکستان کا پس منظر کیا تھا! یہ ملک بنا کیوں تھا! اس کے محرکات اور عوامل کیا تھے! اس کے اساسات کیا ہیں! پھر یہ کہ مختلف ممالک کے استحکام اور بقا کے لیے کون کون سے عوامل سہارا دیتے ہیں اور اس کی تقویت کا باعث بنتے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک عامل کا جائزہ لے کر یہ بات ثابت کی جا سکتی ہے کہ دنیا کے عام ممالک کو اپنے استحکام اور بقا کے لیے جو سہارے دستیاب ہیں ان میں سے کوئی بھی ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ ہمارے پاس جو واحد سہارا ہے وہ ہمارا دین ہے۔ ہمارے بارے میں یہ بات بالکل صحیح ہے کہ: کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو''ہم کافر ہو ہی نہیں سکتے، ہمیں تو لامحالہ مسلمان ہونا پڑے گا۔''

دوسری بات بھی جو اپنی جگہ ایک مستقل موضوع ہے وہ یہ کہ پاکستان میں اسلام نہ طریق انتخاب سے آ سکتا ہے اور نہ محض تبلیغ کے ذریعے۔ اس کے لیے واحد راستہ پُرامن انقلاب کا راستہ ہے۔ اب اس کے لیے بھی دلائل وشواہد چاہئیں۔ انتخابات میں بھی بعض لوگ اسلامی نظام کے قیام کے لیے نیک نیتی کے ساتھ حصے لے رہے ہیں کہ اس طریق سے اسلام کی سربلندی کے لیے کام کریں۔ انتخابات میں حصہ لینے والوں میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی اصل غرض حصول اقتدار ہوگی لیکن یقیناً ایسے لوگ بھی ہوں گے جو نہایت خلوص کے ساتھ اسلامی نظام کے قیام ونفاذ کے مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسی انتخابی طریق کار پر عمل پیرا رہے ہیں اور رہیں گے۔ لیکن مجھے قوی اور مستحکم دلائل کی بنیاد پر اس سے شدید اختلاف ہے۔ میرے نزدیک پاکستان میں اسلام اگر آ سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف پُرامن انقلابی عمل کے ذریعے سے ہی آ سکتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ جب پاکستان کی غالب آبادی سُنی ہے تو ظاہر بات ہے کہ جو بھی انقلاب آئے گا اور اس کے نتیجے میں یہاں جو بھی نظام قائم ہوگا۔ وہ اسی تصور خلافت عامہ پر مبنی ہوگا۔ چوتھی بات یہ کہ وہ انقلاب اگر آئے گا تو خالصتاً اسی نہج پر آئے گا جس نہج پر محمد رسول اللہ ﷺ نے انقلاب برپا کیا تھا۔ امام مالک ؒ سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا یہ قول منقول ہے کہ ''اس امت کے آخری حصہ کی اصلاح نہیں ہو سکے گی مگر صرف اس طریق پر کہ جس پر اس کے پہلے حصہ کی اصلاح ہوئی تھی۔'' اس قول کے متعلق میرا تاثر اتنا یقینی ہے جتنا یہ کہ کل سورج طلوع ہوگا۔ پھر یہ کہ اس کارگاہ کی زندگی کا آخری دور شروع ہو چکا ہے۔ حالات اس رخ پر جا رہے ہیں جن کی خبر نبی ﷺ نے دی تھی۔ پانچویں بات یہ کہ آخری دور میں اسلام کے عالمی غلبہ کی جو خبر الصادق والمصدق ﷺ نے دی تھی، اس کا بھی عمل یقیناً شروع ہوگا، البتہ یہ کہاں سے شروع ہوگا اور کس خطہ ارضی کو یہ سعادت نصیب ہوگی، یہ ہم نہیں جانتے۔ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اہل مکہ کی طرف سے رسپانس نہ ملنے پر نبی اکرم ﷺ نے اپنے طور پر طائف کا انتخاب فرمایا تھا، لیکن طائف میں جو کچھ حضور ﷺ کے ساتھ ہوا وہ کون نہیں جانتا۔ یوم طائف کو نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کا سخت ترین دن قرار دیا تھا۔ وہاں آپ ؐ پر بدترین تشدد ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ ہجرت کا فیصلہ فرمایا۔ حضور ﷺ کے قدم مبارک وہاں پہنچے بھی نہیں کہ وہاں انقلاب آ گیا۔ تمہیداً چھ افراد حج کے موقع پر ایمان لائے۔ اگلے سال ان میں سے پانچ اور سات دوسرے افراد یعنی کل بارہ افراد حاضر خدمت ہو گئے۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی جسے کتب سیرت مطہرہ میں بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے اور درخواست کی کہ ہمیں اپنا کوئی جانثار شاگرد دیجیے جو ہمیں قرآن پڑھائے اور یثرب میں (جو مدینہ منورہ کا پہلا نام ہے) دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے، لہٰذا حضور ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر ؓ کو ان کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر ؓ کی تعلیم قرآن اور دعوت تبلیغ کے نتیجے میں اگلے سال بہتر مرد اور تین خواتین کل پچھتر افراد نے آ کر نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اور یہ بیعت ہجرت کی تمہید بن گئی۔ اسے بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان پچھتر انصاری صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیے۔ اگر قریش یثرب پر حملہ آور ہوں گے تو ہم آپ ؐ کی اس طرح حفاظت کریں گے جیسے اپنے اہل وعیال کی کرتے ہیں۔ بعدۂ جب حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں استقبال کی تیاریاں تھیں۔ کئی دن سے لوگ روزانہ شہر سے باہر آ کر آپ ؐ کی تشریف آوری کے منتظر رہتے تھے۔ یہاں مکہ میں قریش خون کے پیاسے ہیں، جہاں تیرہ برس حضور ﷺ نے بنفس نفیس دعوت دی۔ ہاں تو نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر ؓ کو تین دن اور رات غار ثور میں روپوش ہونا پڑا۔ پھر یہ کہ تعاقب ہو رہا تھا۔ سراقہ بن مالک جو بعد میں دولت ایمان سے بہرہ مند ہو گئے، دو مرتبہ قریب پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر حفاظت فرمائی۔ مکہ کا حال تو یہ ہے اور اہل مدینہ سراپا انتظار آپ ؐ کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں اور آپ کا وہاں ایک بے تاج بادشاہ کی حیثیت سے داخلہ ہو رہا ہے۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی قدرت میں ہے کہ وہ کس جگہ کو سعادت عطا فرما دے۔ کون سے مقام کو چن لے۔ ہم نہیں جانتے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور عالمی سطح پر دین حق کے غلبہ کا آغاز کس ملک سے ہوگا۔ لیکن یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ آخری دور کے بارے میں جن واقعات و حالات کی خبریں احادیث میں دی گئی ہیں وہ دور آ چکا ہے، اس کا آغاز ہو گیا ہے۔ کسی نہ کسی خطہ ارضی کو یہ سعادت حاصل ہو کر رہے گی کہ اسے اللہ تعالیٰ صحیح اسلامی انقلاب کے لیے منتخب فرما لے اور یہ انقلاب بالکل اسی نہج پر آئے گا جس نہج پر برپا فرمایا تھا محمد رسول ﷺ نے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں اس نہج پر انقلاب آئے گا جو عالمی سطح پر غلبۂ دین کی تمہید بنے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ پاکستان کا یہ خطہ ارضی جو حقیقت کے اعتبار سے مملکت خداداد ہے، یہ ہماری قوت بازو اور ہماری جدوجہد کا نتیجہ نہیں ہے، اسے اللہ تعالیٰ اس سعادت کے لیے قبول فرما لے گا۔ بظاہر احوال تو مایوسی کے گھٹاٹوپ اندھیرے سامنے نظر آ رہے ہیں، پھر یہ امید بندھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ اسے ہر شے پر قدرت حاصل ہے، وہ شر سے خیر برآمد کر سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل اور قدرت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم معروضی طور پر غور کریں اور سمجھیں کہ انقلاب کا محمدی ﷺ طریق کیا ہے؟

سوشل میڈیائی مصلحین ومفکرین: دعوتِ محاسبہ

محمد رضی الرحمٰن قاسمی

گزشتہ چند دہائیوں میں ذرائع ابلاغ نے غیر معمولی ترقی کی ہے، اخبار ورسائل سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا دور آیا، پھر انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے آنے سے ذرائع ابلاغ اس قدر تیز ہوگیا ہے کہ چند دہائیاں قبل اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

سوشل میڈیا کے کچھ فائدے

ذرائع ابلاغ کی اس تیز رفتاری سے یقیناً بہت سارے فائدے بھی ہوئے ہیں کہ پہلے جن معلومات کے حصول اور ترسیل میں دنوں، ہفتوں، مہینوں؛ بلکہ سالوں گزر جاتے تھے، ان کا حصول اور ان کی ترسیل چند گھنٹوں، چند منٹوں، بلکہ چند پلوں میں ممکن ہوگئی ہے، یقیناً یہ بڑا انقلاب ہے اور اس کی وجہ سے بہت سارے کاموں میں بہت زیادہ انرجی اور وقت بچ جاتے ہیں۔

دعوتی نقطۂ نظر سے بھی ذرائع ابلاغ کی اس ترقی کی وجہ سے کام بہت آسان ہوگیا ہے کہ اپنی چیزیں اور اسلام کا آفاقی پیغام بہتر سے بہتر اسلوب میں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا نہایت ہی آسان ہوگیا ہے، اسی طرح ملحدین، اسلام دشمن عناصر اور مسلمانوں کے بیچ اور دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے تئیں شبہات پیدا کرنے والوں کا تحقیقی اور بوقت ضرورت مسکت جواب دینا اور اسے بڑے پیمانے پر لوگوں تک پہنچانا بھی بہت ہی سہل ہوگیا ہے۔

علمی وتحقیقی میدان میں کام کرنے والے افراد کے لیے بھی یہ سہولت ہوگئی ہے کہ وہ اپنے مطلوبہ مواد اور معلومات تک بآسانی پہنچ سکتے ہیں اور اس حوالے سے دوسرے ایکسپرٹ اور متخصص لوگوں کی آراء، نقطہ ہائے نظر اور تحقیق سے بآسانی استفادہ کرکے اپنے کام کو زیادہ باوزن اور مفید بناسکتے ہیں اور اس کے بعد اپنی کاوشوں کو استفادے کے لیے بڑے پیمانے پر نشر کرسکتے ہیں۔

سوشل میڈیا کے چند نقصانات

بہت سارے فائدوں کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ کی تیز رفتاری نے اور خاص کر سوشل میڈیا کے بہت زیادہ رواج پاجانے اور ہر عام وخاص کی اس تک باسہولت رسائی نے افراتفری کا ماحول اور انفرادی واجتماعی سطح پر انسانی، مذہبی، سماجی اور اخلاقی ایسے چیلنجز کھڑے کردیے ہیں، جن کا تصور چند دہائیوں قبل ممکن نہیں تھا اور ذرائع ابلاغ کی اس تیز رفتاری خاص کر سوشل میڈیا کے بآسانی ہر خاص وعام تک رسائی نے اکثر لوگوں کے حق میں ایسی صورت حال پیدا کردی ہے، جیسے کہ ناسمجھ بچوں کے ہاتھوں میں کھیلنے کے لیے چھری اور دوسری مہلک چیزیں دے دی جائیں کہ ان چیزوں کا یقیناً صحیح استعمال بھی ہے اور انسانیت کو اس کی ضرورت بھی ہے اور اس سے بہت سارے فائدے بھی ہیں؛ لیکن ناسمجھ بچوں کے ہاتھ میں ان کا ہونا نقصان، تباہی اور ہلاکت وبربادی ہی کا سبب بن سکتا ہے۔

مختلف سروے کے ذریعے یہ بات معلوم ہوئی ہے؛ بلکہ ہر معمولی سمجھ بوجھ والا انسان اپنے اردگرد کے مشاہدے کے ذریعے بھی یہ جان سکتا ہے کہ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے صارفین میں زیادہ تر لوگ ان کا اوسطاً 90 فی صد کے آس پاس بے مقصد اور بسا اوقات تباہ کن استعمال کرتے ہیں۔ اور روزانہ کئی کئی گھنٹے عمر عزیز کے قیمتی اوقات کو ضائع کرتے ہیں؛ حالانکہ اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ بات بالکل سامنے کی ہے کہ ”زندگی درحقیقت وقت ہی کا نام ہے جو کہ ہمیں پیدائش سے لے کر موت کے بیچ تک ملتا ہے“ گویا کہ وقت کو ضائع کرنا زندگی کو ضائع کرنا ہے۔

سوشل میڈیائی مصلحین ومفکرین

سوشل میڈیا کے اس پھیلاؤ نے ایک اور بڑا مسئلہ یہ پیدا کیا ہے کہ دینی، سماجی، معاشرتی، اخلاقی، سائنسی، تاریخی اور مختلف میدان میں بزعم خود مصلحین اور مفکرین کا ایک بڑا جتھا اپنے خیال کے مطابق انسانیت کی اصلاح اور اس کو نفع پہنچانے کے لیے سوشل میڈیا پر کمربستہ ہوگیا ہے۔

سوشل میڈیائی مصلحین ومفکرین کے نمایاں اوصاف

ان مصلحین اور مفکرین کی کارکردگی اور چند نمایاں اوصاف یہ ہیں:

1۔ یہ اپنے موضوع سے متعلق بلکہ غیر متعلق ہر اہم اور غیر اہم؛ بلکہ لغو قسم کی باتوں کو نقل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا اپنی نہایت ہی اہم ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

2۔ اپنے موضوع سے متعلق اور غیر متعلق مراسلوں اور پوسٹ پر تبصرہ کرنا اور ان کے بارے میں اپنی معقول اور نامعقول رائے اور تجزیہ پیش کرنا نہایت ہی اہم فریضہ اور ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

3۔ بے ہودہ باتوں کو اور ایسی باتوں کو جو لوگوں کی کردار کشی پر مشتمل ہو اور جن میں استہزاء اور مذاق اڑایا گیا ہو، انہیں بہ زعم خود بغرض اصلاح نہایت ہی مخلصانہ طور پر لوگوں کے درمیان پھیلاتے ہیں۔

4۔ بدزبانی اور بے ہودہ جملوں کا بے دریغ استعمال نہ صرف روا سمجھتے ہیں؛ بلکہ انہیں اپنے لیے باعث عزت وفخر گردانتے ہیں۔

5۔ ان کی تحقیقی باتوں میں حقیقتاً تحقیق اور صحیح نتیجے پر پہنچنے کی سچی طلب اور جستجو کے بجائے بدگمانی کا عنصر بڑی وافر مقدار میں ہوتا ہے۔

6۔ ”بغرض اصلاح“ مختلف موقعوں پر اپنی بات کی تائید وتصویب میں جھوٹ، دجل وفریب اور حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا بھی کام کرتے ہیں۔

7۔ اللہ نے بحیثیت انسان ہر شخص کو عزت وتکریم سے نوازا ہے، یہ اپنے اس طرح کے طرز عمل سے جہاں دوسروں کو بے عزت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہیں اپنی سطحیت اور گری ہوئی سوچ کا اظہار کرکے اپنے آپ کو بڑے پیمانے پر بے عزت کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

سوشل میڈیائی مصلحین ومفکرین کا طرز عمل دین اور اخلاق کے میزان میں

جو لوگ ملحد ہوں، دین اور اخلاق دونوں سے عاری ہوں یا مذہب کے پیروکار ہوں؛ لیکن اخلاق سے عاری ہوں، ایسے لوگوں کے حق میں تو صرف دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ عزوجل ان کے اندر دین واخلاق پیدا کرے یا یہ کہ اخلاقی قدروں سے ان کی زندگی کو آراستہ کرے!

درج ذیل معروضات ان سوشل میڈیائی مفکرین و مصلحین کی خدمت میں پیش ہیں، جو نہ تو دین کے منکر ہیں اور نہ ہی ایسے ہیں کہ اخلاقی قدروں کی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ سماجی اور عقلی طور پر بھی یہ ایک مبینہ حقیقت ہے کہ وہ شخص جو ہر سنی ہوئی اور اس تک پہنچی ہوئی باتوں کو نقل کرتا ہے اور آگے پہنچاتا ہے، وہ بہت ساری باتوں میں جھوٹا ہوتا ہے یا کسی جھوٹے کا آلہ کار بنتا ہے، اسی حقیقت کو سید الاوّلین والآخرین محمد عربی ﷺ نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

''کسی انسان کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے۔'' (صحیح مسلم)

یہ بات بھی واضح رہے کہ as received لکھ دینے سے انسان جھوٹے ہونے کے دائرہ سے نہیں نکل جاتا ہے؛ کیوں کہ یہ نہایت ہی سادہ سا سوال ہے کہ کسی بھی فرد کو اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی یا اس تک پہنچی ہوئی بات کو دوسروں تک ضرور منتقل کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انٹرنیٹ کے ذریعے یا سوشل میڈیا پر آنے والے ایسے مراسلوں اور پوسٹ پر تبصرہ کرنا یا ان پر کوئی مختصر یا مفصل تجزیاتی تحریر لکھنا جس کا دینی و دنیاوی کوئی فائدہ نہ ہو لغو کام ہے اور ایک مسلمان کو اور اچھے اخلاق کے حامل فرد کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ لغو کاموں میں اپنا وقت اور اپنی طاقت صرف کرے، چنانچہ اللہ عزوجل نے مؤمنوں کے اوصاف میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ وہ لغو کاموں کے پاس سے اعراض کر کے گزر جاتے ہیں:

''اور جب ان کو بے ہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو بزرگانہ انداز سے گزرتے ہیں۔'' (الفرقان:72)

اور سرکار دو عالم ﷺ نے تو ایک اچھے مسلمان کی یہ صفت ہی بتائی ہے کہ وہ لغو اور فضول کاموں سے مکمل طور پر اجتناب و اعراض کرے: ''آدمی کے اسلام کی خوبی اس بات میں ہے کہ وہ لایعنی چیزوں میں نہ پڑے۔'' (الترمذی)

تیسری بات یہ ہے کہ بے ہودہ اور فحش باتوں کو پھیلانا نہ تو کسی صاحب ایمان کو زیب دیتا ہے اور نہ ہی اچھے اخلاق کے تقاضوں سے میل کھاتا ہے، قرآن کریم نے فحش اور بے ہودہ باتوں اور چیزوں کو پھیلانے والوں کے لیے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے:

''جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی (یعنی تہمت بدکاری کی خبر) پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔'' (النور:19)

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''مسلمان بے ہودہ گوئی کرنے والا اور فحش باتیں کرنے والا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔'' (سنن ترمذی)

اور قرآن و سنت سے یہ بات ثابت ہے کہ ایسی باتیں جو کسی کے استہزا پر مشتمل ہو، بدترین قسم کا اخلاقی جرم اور صریح ظلم ہے۔ (الحجرات: 11، سنن ابوداؤد، صحیح بخاری)

چوتھی بات یہ ہے کہ بدگمانی ایک نہایت ہی بدترین قسم کی صفت ہے چنانچہ اسی وجہ سے اللہ عزوجل نے بدگمانی تو کجا بہت زیادہ گمان اور ظن سے بھی کام لینے سے منع فرمایا: ''اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔'' (الحجرات:12)

پانچویں بات یہ ہے کہ جھوٹ بولنا وہ بدترین عمل ہے جو عقل، شریعت اور سماج ہر ایک کی نگاہ میں قابل مذمت ہے قرآن و سنت کے مختلف نصوص میں بھی اس کی قباحت و شناعت کا ذکر موجود ہے۔ (الحج:30، صحیح بخاری)

چھٹی بات یہ ہے کہ بحیثیت انسان اللہ عزوجل نے ہر انسان کو معزز و مکرم بنایا ہے، قرآن کریم میں ہے: ''اور ہم نے انسان کو باعزت بنایا۔'' (الاسراء:70)

اور یہ کہ عزت اور ذلت اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ''اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور تو جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے، تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے۔'' (آل عمران:26)

اپنی باتوں اور کارکردگی کے ذریعے کسی کو بے عزت کرنے کی کوشش کرنا نہایت ہی مکروہ اور گھناؤنا عمل ہے۔ نیز جھوٹ، بدگمانی، دجل و فریب، استہزاء، نامعقول رائے اور لغو قسم کی باتوں کے ذریعے دوسروں کو بے عزت کرنے کی کوشش درحقیقت اپنے آپ کو بھی بے عزت کرنے کو مستلزم ہے اور خود کو بے عزت کرنے کی کوشش عقل و شرع دونوں کے میزان میں ایک احمقانہ حرکت ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے نبی اکرم ﷺ کو انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھیجا تھا، لیکن قرآن کریم میں متعدد جگہ اس بات کی صراحت بھی فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری بہتر اسلوب میں اللہ کی طرف سے آئے ہوئے پیغام کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے، زبردستی لوگوں کو دین پر لانا اور ان کو اچھے اخلاق سے متصف کرنا آپ ﷺ کے دائرہ کار میں نہیں ہے: ''تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔'' (الغاشیۃ:22)

ہم اور آپ رسول اللہ ﷺ کے دعوت و اصلاح کے کاموں میں نائب ہیں، لہٰذا ہماری بھی ذمہ داری بس اتنی ہے کہ ہم لوگوں تک صحیح پیغام پہنچانے کی کوشش کریں؛ لیکن اصلاح کی اس کوشش میں یہ ہمارے لیے لازمی اور ضروری ہے کہ صحیح اسلامی اور اخلاقی خطوط پر یہ کام کریں، اصلاح کے نام پر غیر اخلاقی ہتھکنڈوں کو استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے، درحقیقت یہ اصلاح کا طریقہ بھی نہیں ہے؛ بلکہ اپنے نفس اور شیطان کی پیروی ہے اور اپنے اندر پائے جانے والی غیر اخلاقی خواہشات کی تسکین کا ایک ذریعہ ہے۔ سوشل میڈیائی ایسے مصلحین اور مفکرین سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ کتاب و سنت، عقل سلیم اور اخلاق کے معیار کو سامنے رکھ کر یہ غور کریں کہ کیا واقعی وہ مصلحین اور مفکرین ہیں یا اپنے غیر اخلاقی جذبات کی تسکین کا سامان فراہم کرنے کی کوشش میں لگے ہیں اور درحقیقت اصلاح کے پردے میں فساد پھیلانے کا بدترین کام کر رہے ہیں؟ جس پر اللہ عزوجل نے سخت وعید فرمائی ہے۔

ضرورت رشتہ

☆ رفیق تنظیم کی ہمشیرہ، عمر 26 سال، تعلیم ایم ایس سی سائیکالوجی، قد 5 فٹ 6 انچ کے لیے ہم پلہ رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0331-5735766

☆ ملتان میں رہائش پذیر فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 21 سال، تعلیم بی ایس سی، قوم سندھو جٹ کے لیے برسرِ روزگار ہم پلہ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ صرف والدین رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: 0323-6765920

☆ ملتان کے رہائش پذیر رفیق تنظیم کو اپنے بیٹے، عمر 24 سال، تعلیم یافتہ برسرروزگار، باشرع، خوش شکل کے لیے ملتان اور مضافات سے دینی مزاج کی حامل پردے کی پابند تعلیم یافتہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 0322-6187858

☆ نیز اپنی فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 20 سال، تعلیم ایم ایس سی فزکس (جاری) شرعی پردے کی پابند بیٹی کے لیے دینی مزاج کے حامل برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ صرف والدین رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: 0322-6187858

دنیا فانی اور آخرت باقی

مولانا محمد ضمیر
amira.pk@gmail.com

تجارت کی منڈیاں، صنعتوں کی بہتات، معاشیات کی مضبوطی، حکومت وسیاست کی بالادستی، دنیاوی ساز وسامان کی کثرت، محلات وباغات، عالی شان کوٹھیاں، عہدے و مناصب، اولاد اور کنبہ وقبیلہ، لباسِ فاخرہ، انواع واقسام کے لذیذ پکوان وغیرہ اگرچہ دنیا کی وقتی وظاہری کامیابیوں کی مختلف شکلیں وصورتیں ہیں؛ تاہم ان کا ملنا یا نہ ملنا رب تعالیٰ کی رضا وخوشنودی یا غیظ وغضب کا پیمانہ نہیں کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ ان ساری چیزوں کا تعلق انسان کے جسم میں سانس کے دخول وخروج کے ساتھ وابستہ ہے۔ بالفاظِ دیگر موت کے وارد ہوتے ہی ان ساری چیزوں کا تعلق انسان سے منقطع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ چیزیں اصل اور حقیقی کامیابی کی چیزیں نہیں ہیں۔ تب کامیابی اور ناکامی کیا ہے؟ اصل کامیابی اور ناکامی وہ ہے جو مل کر ختم نہ ہو؛ چنانچہ فانی و باقی کے اسی تقابل کو بنیاد بناتے ہوئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔'' (النحل:96)

دنیاوی مال ومتاع، شرافت وافتخار، قابلیت ولیاقت کی کوئی قیمت نہیں اگر دل ایمان ویقین سے خالی ہو۔ اور اگر اس دنیا کی محبت رب تعالیٰ کے یہاں ایک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ جل شانہٗ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہیں دیتے۔ اسی دنیا کی زندگی کو ''متاعِ قلیل'' کہا گیا ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اہلِ ایمان کا بھی منتہائے نظر اب دنیا کی کامیابی ہو کر رہ گیا ہے۔ عیش وعشرت کے لیے دنیا کی طلب پر تنبیہ کی گئی ہے۔ اہلِ ایمان اللہ کے آخری پیغام کے اصل حاملین ہیں لہٰذا ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہلِ دنیا کی ''کامیاب دنیا'' پر ہرگز ہرگز رال نہ ٹپکائیں؛ بلکہ آخری نبی...... کے امتی ہونے کے ناطے ان کی ''بربادِ آخرت'' پر آنسو بہائیں کہ یہ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جہنم کی طرف تیزی سے بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اہل ایمان کو اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی کی کوئی فکر لاحق نہیں۔ اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ اب ان کی بھی فکر وسوچ پر دنیا کی زندگی ایسی حاوی ہو گئی ہے کہ وہ دنیا کی لذات و پرتعیش زندگی میں غیروں سے ذرا بھی پیچھے رہنا نہیں چاہتے۔ حالانکہ وہ جس نبی امی کے نام لیوا ہیں، اور ان کی اتباع ہر حال میں ضروری ہے، انہوں نے پہاڑوں کو سونا بنانے کی پیش کش پر انکار کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ سخت ترین حالات میں بھی وسعتِ دنیا کی دعا کرنے پر حضرت عمر فاروق ؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو تنبیہ فرمائی تھی، جسے خود حضرت عمر ؓ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں دربارِ رسالت میں حاضرِ خدمت ہوا تو دیکھا کہ حضور ﷺ ایک بوریے پر لیٹے ہوئے ہیں، جسمِ اطہر پر بوریے کے نشانات بھی ابھر آئے ہیں اور سرہانے ایک چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے۔ میں نے دیکھا کہ گھر کا کل سامان یہ تھا۔ تین چمڑے بغیر دباغت دیے ہوئے اور ایک مٹھی جو۔ اس کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ یہ دیکھ کر میں رو دیا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیوں رو رہے ہو۔ پھر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیوں نہ روؤں کہ یہ بوریے کے نشانات آپ کے بدن مبارک پر پڑے ہیں اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو میرے سامنے ہے۔ پھر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ دعا کیجیے کہ آپ کی امت پر بھی وسعت ہو۔ یہ روم و فارس بے دین ہونے کے باوجود ان پر یہ وسعت، یہ قیصر و کسریٰ تو باغوں اور نہروں کے درمیان ہیں اور آپ اللہ کے رسول اور اس پر یہ حالت، نبی اکرم ﷺ تکیہ لگائے ہوئے لیٹے تھے۔ میری بات سن کر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا ''عمرؓ! کیا اب تک اس بات کے اندر شک میں پڑے ہوئے ہو۔ سنو! آخرت کی وسعت دنیا کی وسعت سے بہتر ہے۔ ان کفار کو اچھی چیزیں دنیا میں مل گئیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں۔ حضرت عمر ؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے استغفار فرمائیں کہ واقعی میں نے غلطی کی۔

البتہ دین اسلام پر عمل کرنے پر بطور انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لیے حیاتِ طیبہ موعود ہے۔

''چاہے کوئی مرد ہو یا عورت نیک عمل کر کے آوے اور صاحب ایمان ہو تو ہم ایسے لوگوں کو حیاتِ طیبہ عطا کریں گے۔'' (النحل:97)

اور یہ حیات طیبہ کیا ہے؟ حیات طیبہ در اصل حیات خبیثہ کی ضد ہے۔ حیات طیبہ عین وہی چیز ہے جس میں ہر طرح کا سکون، عافیت، آسانی وغیرہ شامل ہیں۔ حیات طیبہ میں نیک بیوی، فرماں بردار اولاد، خاتمہ بالخیر، حلال و آسان روزی، سکون وطمانیت، غنائے قلبی، خلقت میں محبت ورعب اور دبدبہ وغیرہ کے علاوہ ہر وہ چیز شامل ہے جن کے حصول کے لیے دنیا کے عام انسان سخت تگ و دو میں رہتے ہیں؛ مگر دین پر عمل کرنے پر بطور انعام مومن کو حق جل شانہٗ حیاتِ طیبہ سے نواز دیتے ہیں۔

اہل ایمان اللہ کے آخری محفوظ وموجود کلام کے حامل ہونے کے ناطے دنیائے انسانیت کے رہبر و ہادی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال اور اپنی زندگی سے اس کا عملی ثبوت پیش کریں کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ اصل کامیابی رب کی رضا میں پوشیدہ ہے۔ کامیابی اس کے لیے ہے جو جہنم سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ اصل کامیابی وہ ہے جہاں جنت کی نعمتیں کبھی بھی ختم نہ ہوں گی؛ بلکہ بڑھتی ہی جائیں گی۔ اور جہاں رب تعالیٰ کا دیدار سب سے بڑی نعمت ہوگی۔ جہاں اللہ تعالیٰ خود بندوں کو قرآن شریف پڑھ کر سنائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اعلان فرما دیں گے کہ اے میرے بندو! اب میں تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوؤں گا۔

تاہم آخرت کی غیبی زندگی کی کامیابی کو حقیقی کامیابی سمجھنا اور دنیا کی مشاہدہ والی زندگی پر اس کو ترجیح دینا کوئی سادہ بات نہیں۔ بندہ سے مطلوب ہے کہ وہ ایمان و احتساب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ واضح ہو کہ احتساب اس بات کو کہتے ہیں کہ بندہ کو عمل کے دوران عمل کی فضیلت و قیمت کا استحضار حاصل ہو۔ مثلاً اہل ایمان ایک مرتبہ سبحان اللہ کہہ کر اتنا خوش ہو کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اسے پھیکی لگنے لگے، ہفتِ اقلیم کی سلطنت تو ایک روز چھوٹ جائے گی؛ مگر ایک مرتبہ سبحان اللہ کا اجر وثواب کبھی بھی ختم نہیں ہوگا۔ درحقیقت ایمان واحتساب کے ساتھ اگر عمل کیا جائے تو پھر واقعی زندگی کا لطف ہے؛ اس لیے ہر اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ دین میں کامیابی کا شرح صدر حاصل کریں کہ یقین بغیر دین پر عمل آوری نہیں ہو سکتی۔ اس حقیقت کو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی صورت میں اس طرح سمجھایا ہے۔

''بیٹا! نیک عمل اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ یقین کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جس کا یقین ضعیف ہوگا اس کا عمل بھی سست ہوگا''۔

غلبہ واقامتِ دین کی جدوجہد کا حُدی خواں | تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کا ترجمان

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

شمارہ اگست 2020ء
ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ

مشمولات

☆ آیا صوفیہ ـــــ ایوب بیگ مرزا
☆ حدودُ اللہ کی حفاظت ـــــ انجینئر مختار فاروقی
☆ حقیقت نفاق
(ور جہاد سے اعراض کی سزا: نفاق ـــــ شجاع الدین شیخ
☆ اسلام اور حقوقِ نسواں ـــــ میمونہ اسلم
☆ روزی رساں اللہ ہے! ـــــ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
☆ لڑکیوں کی بغاوت: اسباب وعلاج (۴) ـــــ ابوکلیم مقصود الحسن فیضی

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا ''بیان القرآن'' باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے!

☆ صفحات: 100 ☆ قیمت فی شمارہ: 40 روپے ☆ سالانہ زرتعاون (اندرون ملک) 400 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

ادارہ ''ندائے خلافت''
کی جانب سے قارئین کو

عید الاضحیٰ مبارک ہو!

قارئین نوٹ فرمالیں کہ تعطیلات کی وجہ سے ادارہ کے دفاتر بند رہیں گے۔

بنابریں ''ندائے خلافت'' کا اگلا شمارہ عید کے بعد شائع ہوگا۔

مسجد دارالسلام لاہور میں نماز عید الاضحیٰ

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں نمازِ عید

ناظم اعلیٰ انجمن خدام القرآن لاہور

محترم ڈاکٹر عارف رشید

پڑھائیں گے

❁ نماز ٹھیک 6:15 پر کھڑی ہوجائے گی ❁ نمازِ عید کے بعد مختصر خطاب ہوگا۔

خواتین کی شرکت کا باپردہ اہتمام ہوگا۔

رفقاء متوجہ ہوں ان شاء اللہ

''دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی، 23- کلومیٹر ملتان روڈ (نزد چوہنگ)، لاہور'' میں

14 تا 16 اگست 2020ء

(بروز جمعۃ المبارک نمازِ عصر تا بروز اتوار نمازِ ظہر)

مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب نمبر 2

حزب اللہ کے اوصاف

اور

امیر اور مامورین کا باہمی تعلق

کا انعقاد ہو رہا ہے،

زیادہ سے زیادہ ملتزم رفقاء اس میں شامل ہوں،

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0321-4369865

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت: 79-35473375(042)

انا للہ وانا الیہ راجعون — دعائے مغفرت

☆ حلقہ پنجاب جنوبی کے ملتزم رفیق محبوب ربانی مغل وفات پاگئے۔

☆ حلقہ جنوبی پنجاب، وہاڑی کے نقیب جناب محمد طاہر نسیم کے والد وفات پاگئے۔

برائے تعزیت: 0307-4499188

☆ دفتر حلقہ اسلام آباد کے سابق بیت المال طاہر حیات کی چچازاد بہن وفات پاگئیں۔

برائے تعزیت: 0321-5874530

☆ حلقہ بہاول نگر کے منفرد رفیق محمد عبداللہ انصاری کے والد وفات پاگئے ہیں۔

برائے تعزیت: 0308-7909839

☆ حلقہ لاہور غربی، سمن آباد کے مبتدی رفیق شفیق احمد وفات پاگئے۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ
فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

Salvation of the Muslim Ummah in This World and in the Hereafter!

Three verses (102-104) of Surah Aal-e-Imran are of immense significance as they contain in a nutshell the comprehensive three-point plan of action Muslims are commanded to undertake in order to attain terrestrial success as well as salvation and felicity in the Hereafter. The English translation of these verses is as follows:

> **Verse 102**
> O you who have believed, fear (heed) Allah as He should be feared (heeded) and do not die except as Muslims [in submission to Him, in the state of Islam].
>
> **Verse 103**
> And hold firmly to the rope of Allah all together and do not become divided. And remember the favor of Allah upon you - when you were enemies and He brought your hearts together and you became, by His favor, brothers. And you were on the edge of a pit of the Fire, and He saved you from it. Thus does Allah make clear to you His verses that you may be guided.
>
> **Verse 104**
> And let there be [arising] from you a nation [Party, Group] inviting to [all that is] good, enjoining what is right and forbidding what is wrong, and those will be the successful.
>
> **[Ref: Surah Aal-e-Imran; Verses 102 – 104)**

These verses occur almost in the middle of the Surah Aal-e-Imran and as such occupy a pivotal position in the numerous themes with which the Surah deals. As is commonly believed by Muslims, every single verse of the Qur'an contains both theoretical wisdom and practical guidance. Similarly, though the above mentioned three verses too have philosophical points of wisdom or theoretical *hikmah*, we shall mainly dilate upon the practical guidance provided by them. We believe that pure academicism or too much philosophical or critical acumen exercised in understanding a particular point quite often hides from the scholar the concrete and practical guidance contained therein. Moreover, what the Muslim Ummah as a whole needs today is a clear and precise perception of the religious obligations and imperatives and a resolve to act upon them in the right earnest.

The first verse (102) tells the Muslims very precisely, and yet very comprehensively, the obligations which they have to fulfill as members of the Muslim Ummah — the priorities in the conduct of life and the value-structure to be upheld during the course of this worldly life.

The second verse (103) enlightens the Muslims about the binding-force which unites and welds them into an Ummah (a religious fraternity) — the instrument which turns them into a disciplined community with a common aim.

The third verse (104) delineates the objective and goal of the Muslim Ummah in general and that of the activist Islamic group or *Hizbullah* in particular. In other words, it deals with the question: What is the mission and the target for which the Ummah has to strive?

One can very easily see that there is a strong logical relationship between these three points. Every organizational effort or collectivity depends ultimately upon the individual members — their existential commitment to the group's world-view and determination to act accordingly. How can a

commitment to the group's world-view and determination to act accordingly. How can a group or a collectivity proceed in the right direction unless its individual members act and behave in the right manner? If individuals do not conduct themselves on the prescribed lines, how can the group as a whole work appropriately and achieve its envisaged targets?

It is quite logical, therefore, that in organizing a collective effort the individual person himself comes first. In the context of Islamic Ummah's mission and goal, the foremost point is that an individual Muslim should realize and perform his religious obligations. He should be quite clear as to what Islam requires him to do, and he must fulfill those requirements.

The second practical step, elucidated in verses 103, is that the Muslim Ummah is urged to undertake is that all those who have accomplished to the maximum possible degree the requirement(s) of verse 102 and attained the driving force of *Taqwa* (i.e., God-consciousness) in their lives — are called upon to unite and join together for the cause of Islam. Until and unless they join hands together and become like a solid steel- ribbed structure, they cannot achieve the supremacy and ascendancy of Islam at the global level.

Finally, the question arises: what is the objective or goal this group should keep in view and work for? As a matter of fact, all creations and artifacts are made for serving some purpose. Even a small and modest association of people is constituted and organized for achieving certain goals defined in the memorandum of aims and objectives or the mission statement. So the question that quite naturally arises is: what is the purpose or goal of that group, which results from collectively clinging to the Qur'an? This exactly is what is explicated in verse 104 of the Surah.

This verse (104) demands the formation of a group comprising of committed and motivated Muslims from among the vast Muslim fraternity of less motivated believers (according to the generally accepted exegesis of the verse). That is to say, this verse provides answer to the question: what should be done when, by and large, the Ummah neglects its religious obligations and thus pays no heed to its divinely ordained duties. It is a well-established truth that any influential and wide-ranging mission, be it a moral or an immoral one, requires the concerted efforts of a group of people.

This verse (104) of Surah Aal-e-Imran enlightens us about the three fundamental aims and objectives of this collectivity of God-conscious and motivated Muslims, which are:

1. Calling and inviting people to all that is good and noble.
2. Enjoining and dictating the doing of all that is right and virtuous.
3. Forbidding the doing of all that is wrong, sinful and immoral.

In technical religious terms, points 1, 2 and 3 mentioned above refer to what is known as *Da'wah Ilal-Khair, Amr Bil-Ma'roof* and *Nahee Anil-Munkar*, respectively.

It has to be noted that fulfilling these objectives is dependent on the state and degree of a person's *Iman* (faith in Allah *SWT*) along with the strategic conditions and the intensity of operations that conditions allow.

May Allah *(SWT)* bestow upon us the understanding of the importance of striving in His (SWT) way, according to His *(SWT)* terms and conditions. May Allah *(SWT)* grant the entire Muslim Ummah salvation in this world and in the Hereafter. *Aameen!*

===================================

Source*: Excerpts from "3-Point Action Agenda for the Muslim Ummah", the English translation done by Dr. Absar Ahmad of a booklet written by late Dr. Israr Ahmad (RAA).*

Vol. 29 Regd. C.P.L NO. 114 No.24